جاناں

اقراء صغیر احمد

عید کا دن ہے ہر اک سمت ہے گہما گہمی
آنا چاہوں میں تیرے پاس تو آؤں کیسے
میری ہر سانس امانت ہے تری یادوں کی
ٹوٹ کر اس سے زیادہ تجھے چاہوں کیسے

جان جاناں
Digestlibrary.COM

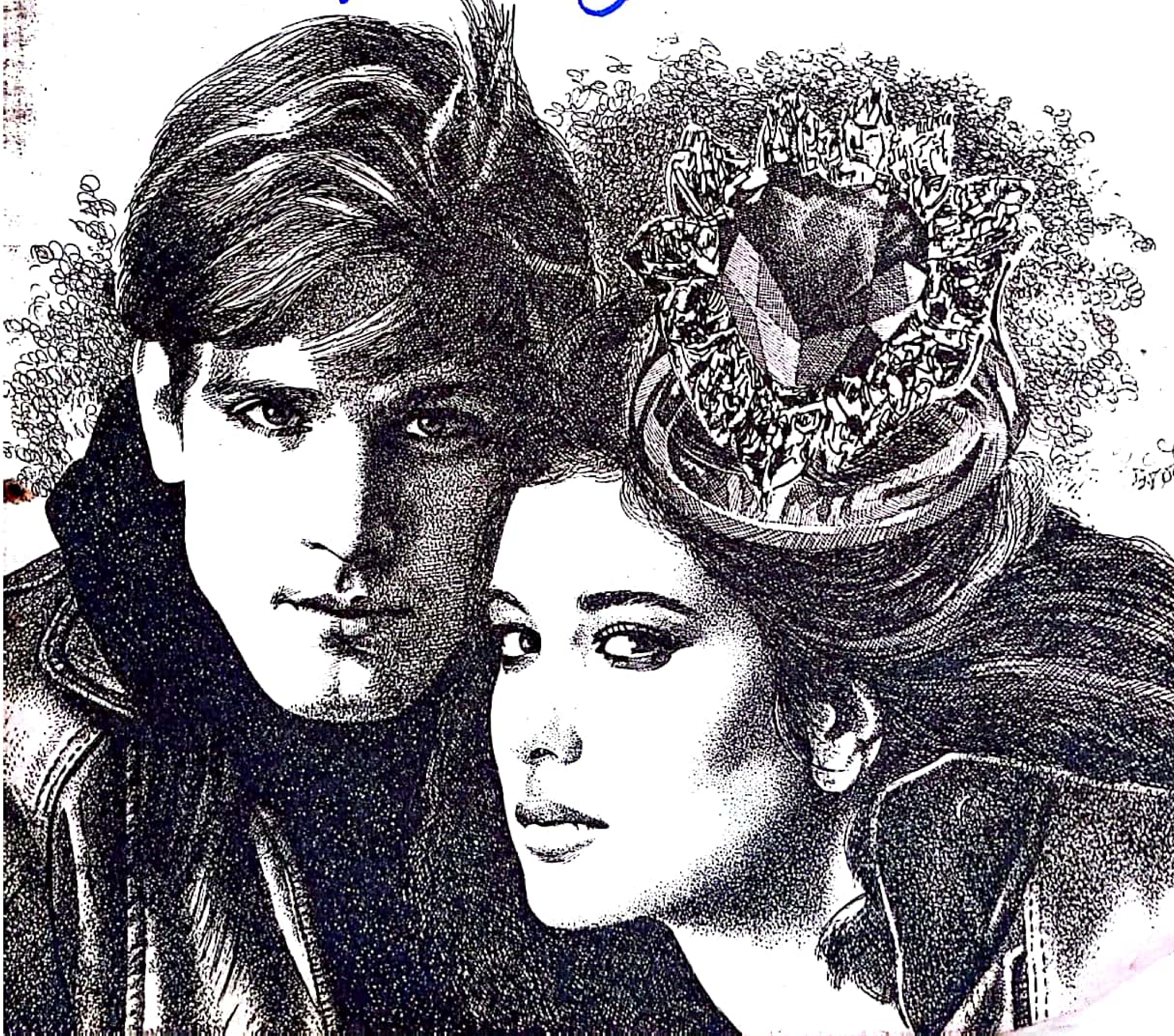

''پنکی' بلو' گڈو' کہاں ہو؟'' مہکار آنکھوں پر رومال باندھے انہیں ڈھونڈنے کی کوشش کررہی تھی۔ وہ تینوں آواز لگاتے۔ ''ہم یہاں ہیں۔'' اور وہ آواز کا تعین کرکے دونوں ہاتھوں کو پھیلائے ٹٹولتی سنبھلتی ہوئی وہاں تک پہنچتی تو وہ وہاں سے ہنستے ہوئے بھاگ جاتے۔

''بھئی یہیں رہو اگر اب کہیں دور گئے تو میں آنکھوں سے رومال ہٹالوں گی اور پھر کھیلوں گی بھی نہیں۔'' بہت دیر تک جب وہ اس کے ہاتھ نہ آئے تو وہ جھنجلا کر بولی۔ ان کی دھمکی نے فوری اثر کیا۔ وہ تینوں اس کے ارد گرد بھاگنے لگے۔ وہ ہاتھ لہرا لہرا کر انہیں پکڑنے کی کوشش کررہی تھی۔ لان میں لگے پھولوں کی مہک سے فضا مہکی ہوئی تھی وہ تینوں اس کے ہاتھ نہیں آرہے تھے۔ وہ اکتا کر رومال کھولنا ہی چاہتی تھی کہ بلو کی جیکٹ اس کے ہاتھ میں آگئی۔

''آہا...... پکڑلیا۔ میں نے پکڑلیا۔'' وہ ایک ہاتھ سے جیکٹ پکڑے دوسرے ہاتھ سے رومال کھولتے ہوئے خوشی سے چیختی ہوئی بولی۔ رومال آنکھوں سے ہٹا کر وہ جھٹکے سے دور ہٹی تھی۔ وہ جسے بلو کی جیکٹ سمجھ رہی تھی۔ وہ اس اجنبی شخص کے کوٹ کا حصہ تھا جو اپنی بادامی آنکھوں میں شوخی و شرارت لیے اسے تک رہا تھا۔ گھنی سیاہ مونچھوں تلے اس کے سرخی مائل لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ بچوں کو شاید اس نے خاموش رہنے کا اشارہ کردیا تھا۔ اب اسے مسکراتا ہوا دیکھ کر وہ بھی ہنستے ہوئے تالیاں بجا بجا کر شور کرنے لگے۔ ''آنٹی نے انکل کو پکڑلیا۔ آنٹی نے انکل کو پکڑلیا۔''

''خاموش' کیا بدتمیزی ہے۔'' ایک دم ہی اس کا پارہ ہائی ڈگری سے تجاوز کرگیا۔

''آنٹی' ہم نے کچھ نہیں کیا۔ انکل خود آپ کے سامنے آئے تھے۔'' بلو منہ بسور کر بولا۔

''مسٹر یہ کیا بیہودگی ہے یہ' شرم نہیں آتی آپ کو میرے ساتھ ایسی حرکت کرتے ہوئے؟'' وہ جارحانہ تیور لیے اس سے مخاطب ہوئی۔

''محترمہ! آپ کو تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے۔ میں نے آپ کی پرابلم ختم کی ہے۔ مجھے معلوم تھا یہ بچے آپ کے ہاتھ کبھی نہیں آئیں گے۔ اس لیے میں خود......''

''شٹ اپ' میں آپ جیسے انسان کے منہ لگنا پسند نہیں کرتی۔'' وہ اتنے زور سے چیخی کہ اندر لیونگ روم میں بیٹھی ممی اور آنٹی گھبرا کر باہر نکل آئیں۔

''کیا ہوا؟'' ممی اس کی طرف بڑھتی ہوئی بولیں۔

''آنٹی! آپ کا گھر کیا ہوٹل ہے جس کا دل چاہتا ہے منہ اٹھائے چلا آتا ہے؟'' وہ اس پر تیز نگاہ ڈال کر کڑوے لہجے میں بولی۔

''السلام علیکم آنٹی۔'' وہ اسے نظر انداز کرکے ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

''وعلیکم السلام' اندر چلو نہ شموئیل بیٹا۔'' رفعت آنٹی کن فیوز سی اس سے مخاطب ہوئیں۔ تینوں بچے جو مہکار کو غصے سے چیختے ہوئے دیکھ کر سہم گئے تھے پنکی نے رفعت بیگم کا آنچل پکڑ کر ساری بات بتادی۔ مہکار تو منہ پھلائے کھڑی تھی۔ البتہ شموئیل مسکرا رہا تھا۔

''ارے بیٹا یہ کوئی غیر تھوڑی ہے تمہاری آنسہ پھوپو کا چھوٹا بیٹا ہے شموئیل خان۔'' ساری بات سن کر راحیلہ بیگم مسکرا کر مہکار سے مخاطب ہوئیں۔

''ہونہہ۔'' وہ پل بھر کو اس کے قریب آکر زہریلے لہجے میں ''ہونہہ'' کہتی ہوئی بھاگتی اندر کی طرف چلی گئی۔

''بیٹا مائینڈ نہیں کرنا۔ دراصل اشفاق نے مہکار کو بہت پیار دے کر بگاڑ دیا ہے بہت ضدی ہوگئی ہے یہ۔'' راحیلہ بیگم بڑے شیریں لہجے میں اس سے مخاطب ہوئیں۔ ان کے لہجے پر رفعت بیگم کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تیر گئی تھی۔

''کوئی بات نہیں آنٹی۔'' وہ مسکراتا ہوا بولا۔ ورنہ جس نخوت بھرے انداز میں وہ اسے ہونہہ' کہہ کر گئی تھی۔ اس زہریلے انداز نے اس کا پور پور سلگا دیا تھا۔

''بری بات ہے بیٹا۔ بھابی کتنی مرتبہ آپ کو کھانے کے لیے بلانے کے لیے آچکی ہیں؟ اور آپ مسلسل انکار کررہی ہیں۔ اس طرح سلوک تو نہیں

کرتے نا جانو۔" راحیلہ گرین جارجیٹ کی ساڑھی کی فال درست کرتی ہوئی کمرے میں آکر اس سے مخاطب ہوئیں۔

"اس بے وقوف نے میری اتنی توہین کی' اور آپ نے اسے کچھ نہیں کہا؟" اس نے پاؤں پٹختے ہوئے کہا۔

"اس میں توہین کی کیا بات ہے کزنز میں تو مذاق چلتے ہی رہتے ہیں۔"

"کزن! او نہیں' نہ جان نہ پہچان اور کزن بن گئے۔ میں کسی سے فری ہونا پسند نہیں کرتی۔"

"اچھا چلو' اس کی غلطی تھی' اسے بغیر تعارف کے مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا۔ چلو اب تو کھانا کھالو' سب ڈائننگ ٹیبل پر آپ کا انتظار کررہے ہیں۔" وہ لجاجت سے بولیں۔

"مما! آپ کو معلوم ہے جب میرا موڈ آف ہوجائے تو مجھے بھوک نہیں لگتی۔ پلیز آپ جائیں اور اب مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔" وہ بیڈ پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ اور لائٹس آف کرکے لیٹ گئی۔ راحیلہ بیگم خاموشی سے باہر نکل گئیں۔

"کیا ہوا دلہن؟ مہکار کھانا نہیں کھائے گی؟" دادی جان راحیلہ بیگم کو اکیلے آتا دیکھ کر بولیں۔ اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر گھر کے تمام افراد موجود تھے۔ دادی جان ان کے بیٹے احسان صاحب' ان کی بیوی رفعت بیگم' ان کا بڑا بیٹا شہزاد اس کی بیوی ثمینہ' شہزاد سے چھوٹا فرہاد اور فرہاد سے چھوٹی زرین اور فرحین۔ سب کی نگاہیں راحیلہ بیگم کے چہرے پر تھیں۔

"امی حضور اسے بھوک نہیں ہے۔ دراصل وہ رات کا کھانا بہت کم کھاتی ہے۔" وہ شرمندگی مٹانے کو بات بناتی ہوئی مسکرا کر بولیں۔

"ایسا بھی کیا اندھیر ہے۔ چھوٹی بہو نے کئی چکر لگائے اب ماں کے ساتھ بھی نہیں آئی لو بھلا ایسی بھی کوئی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ نہ چچی کا ادب اور نہ ماں کا لحاظ۔" دادی حضور اپنی عینک درست کرتی ہوئی غصے سے بولیں۔

"مہکار کا بھی قصور نہیں ہے امی حضور۔ بچیوں کو تہذیب و آداب بچپن سے ہی سکھائے جاتے ہیں۔ اب زرین فرحین بھی تو ہیں گھر میں' مجال ہے جو کبھی اپنی من مانی کی ہو یا کبھی تیز آواز میں بولی ہوں۔ چھوڑیں بچی ہے' اپنوں میں رہے گی تو سب تمیز طریقے آجائیں گے۔" رفعت بیگم بہت خوب صورتی سے جیٹھانی پر بیٹی کی غلط تربیت پر طنز کرکے آخری جملے بہت لگاوٹ سے بولیں۔ سب نے کھانا شروع کردیا تھا مگر امی حضور کی سوئی مہکار پر ہی اٹکی ہوئی تھی۔

"لڑکی ذات کو ایسا منہ پھٹ اور خود سر نہیں ہونا چاہیے۔ کل کلاں کو پرائے گھر جائے گی تو ہم پر تھو تھو کروائے گی۔ دلہن یہ سب تمہاری بے پروائی کا نتیجہ ہے۔ عمر بھر میں ایک لڑکی پیدا کی ہے۔ وہ بھی نہ سنبھالی گئی تم سے؟"

"امی بھابی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ بھائی جان کتنا چاہتے ہیں مہک کو' اس کا اندازہ ہے آپ کو مہکار بہت اچھی' سلجھی ہوئی بچی ہے اس عمر میں بچے ہوتے ہی ضدی و خود سر ہیں اور مہکار اکلوتی ہونے اور بھائی جان کی بہت زیادہ لاڈلی ہونے کے باعث کچھ ضدی ہوگئی ہے تو اتنی پریشانی کی بات نہیں۔ شعور آنے کے بعد ٹھیک ہوجائے گی۔" احسان صاحب امی کو سمجھاتے ہوئے بولے ان کے لہجے میں بھتیجی کے لیے پیار ہی پیار تھا۔ فرہاد کے برابر بیٹھے کھانا کھاتے ہوئے شموئیل کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ کھانا بہت اچھے ماحول میں کھایا گیا۔ کھانے کے بعد وہ فرہاد کے ساتھ کمرے میں آگیا۔ تیرا بیڈ روم تو نہیں ہے یار یہ؟ فرہاد کے ساتھ بیڈ پر لیٹا ہوا شموئیل کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"جی ہاں میرا بیڈ روم آجکل بحرین پلٹ کزن کے قبضے میں ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"کیوں؟ تمہیں تو اپنے بیڈ روم کے علاوہ کہیں نیند نہیں آتی؟" وہ حیرانی سے بولا۔

"مجبوری تو گدھے کو باپ بنادیتی ہے یہ تو پھر کمرہ ہے۔ ان محترمہ کو بلو کلر بیڈ روم پسند ہے اور وہ بھی بیڈ روم میں تنہا سونے کی عادی ہیں۔ کسی دوسرے کی

Digestlibrary.com

موجودگی میں نیند نہیں آتی۔ اس کے برابر والے روم میں آنٹی براجمان ہیں۔ اگر وہ ایک کمرے میں ہی سوجاتی تو میں دوسرا کمرہ لے لیتا۔“ فرہاد منہ بنا کر بولا۔

”کیا شے ہے وہ لڑکی؟“ شموئل دلچسپی سے بولا۔

”لال مرچ، ہری مرچ اور کالی مرچ ملا کر جو سفوف بنتا ہے۔ وہ مرچ پاؤڈر ہے وہ۔“ فرہاد دانت پیس کر بولا اور اس کے انداز پر شموئل بے اختیار ہنسنے لگا۔

”ہنس لو ابھی تمہاری اس سے ملاقات نہیں ہوئی ہے اس لیے کل میں بے خیالی میں کمرے میں چلا گیا۔ میں ایک عرصے سے اس کمرے کو استعمال کررہا ہوں مجھے تو عادت ہے اپنے کمرے میں بغیر نوک کے جانے کی۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا وہ محترمہ اندر ہیں۔ میں دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ وہ سامنے بیڈ پر نیم دراز رسالہ پڑھ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔ ”آپ اتنے بڑے ہوگئے ہیں، آپ کو کسی نے یہ تمیز نہیں سکھائی کہ کسی کے کمرے میں آنے سے پہلے اجازت لی جاتی ہے۔“ میں نے معذرت کی کہ میں بھول گیا تھا۔ اب یہ آپ کا کمرہ ہے۔ میں اپنے کپڑے لینے آیا ہوں۔ مگر وہ نہیں مانی اس کے کہنے کے مطابق میں کمرے سے باہر آیا۔ پھر دروازہ ناک کرکے باقاعدہ اجازت لی۔ پھر کپڑے لینے دیے۔ میں نے اسی وقت توبہ کرلی پھر کبھی اس کمرے میں جانے سے۔ اس کو کہتے ہیں سر بھی میرا اور جوتے بھی۔ لڑکی نہیں ہے سرخ مرچ ہے۔“

گردش میں تو میں بھی آچکا ہوں۔“ شموئل چائے کا کپ ٹرے سے اٹھاتا ہوا بولا جو ملازم ابھی رکھ کر گیا تھا۔

”کیا؟ مہکار سے تمہاری ملاقات ہوگئی؟“

”ہوں۔ صبح امی نے اسپتال جاتے وقت تاکید کی تھی۔ بڑے ماموں کی فیملی بحرین سے پرسوں آئی ہے ان سے ملاقات کرلوں کیونکہ ماموں کچھ عرصے بعد آئیں گے۔ ان کی بیٹی اور بیوی آئی ہیں۔ امی تین دن سے کہہ رہی تھیں۔ آج ان کے غصے کی وجہ سے مجھے کلینک سے جلدی اٹھنا پڑا ہے۔ میں پورچ میں کار کھڑی کرکے لان میں آیا تو لیمن کلر کے سوٹ میں ملبوس ایک نازک سانولی سی لڑکی آنکھوں پر رومال باندھے۔ بلو، پنکی، گڈو وغیرہ کو پکڑنے کی کوشش کررہی تھی مگر وہ تینوں ایک دم شریر ہیں، کہاں اس کے ہاتھ آتے میں کافی دیر سے کھڑا ان کی آنکھ مچولی دیکھ رہا تھا بہت دیر کے باوجود وہ تینوں اس لڑکی کے ہاتھ نہیں آئے تو لڑکی جھلانے لگی تھی۔ میں سمجھ گیا تھا۔ یہ زرین فرحین تو نہیں ہے یقیناً اشفاق ماموں کی بیٹی ہے۔ میں شرارت سے اس کے سامنے جاکر دبے قدموں چلتا ہوا کھڑا ہوگیا اور بچوں کو خاموش رہنے کا اشارہ بھی کردیا۔ اس کے ہاتھ میں میرا کوٹ آگیا اور اس نے خوشی سے چیختے ہوئے آنکھوں سے رومال ہٹالیا پھر......“

”پھر وہ خوشی کی چہکاریں بدروح کی چیخوں میں بدل گئی ہوں گی۔“ فرہاد نے منہ بنا کر بے ساختہ کہا اور شموئل اپنے قہقہوں پر قابو نہ پاسکا۔

فرہاد اور وہ بچپن کے بہت گہرے دوست رہے تھے اس لیے ان کی کوئی بات ایک دوسرے سے خفیہ نہیں تھی۔

”اب یہ بلا زرین کی شادی سے پہلے جانے والی نہیں۔ اتنے عرصے میں نہ معلوم ہمارا کیا حشر کرے گی۔ نہیں یار فرہاد انجوائمنٹ رہے گی ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔“ شموئل ہنستے ہوئے کھڑا ہوگیا۔

”جا کہاں رہے ہو۔“ فرہاد اسے اٹھتے ہوئے دیکھ کر بولا۔

”نانی جان اور ماموں سے اجازت لے کر گھر جاؤں گا۔ بہت ٹائم ہورہا ہے۔“

انہیں بحرین سے پاکستان آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوچکا تھا۔ اس عرصے میں مہکار کی بدمزاج اور مغرور طبیعت کی گستاخیوں کے چرچے عام ہوچکے تھے۔ راحیلہ بیگم کی شامت ہر دم رہتی تھی۔ انہوں نے بہت چاہا وہ ان سب میں گھل مل جائے مگر وہ اپنے کمرے میں رسالوں میں مگن رہتی یا ٹیلی ویژن کھولے مختلف چینل گھماتی رہتی۔ زرین، فرحین نے بہت کوشش کی اس سے فری ہونے کی پھر اس کا سر اور

خشک رویہ دیکھ کر پیچھے ہٹ گئیں۔ ان سے ملنے کے لیے رشتے دار آتے۔ راحیلہ بیگم ہی ان سے ملتیں۔ سب اس کا پوچھتے انہیں بہانے کرنے پڑتے۔ اس کے سر میں درد ہے یا وہ سو رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ امی حضور کو سوائے مہکار پر لیکچر دینے کے کوئی اور موضوع نہیں تھا۔ رفعت بیگم بھی ہمدردی کے پیرائے میں طنز پر طنز کیے جاتیں اور ان کی نندیں آتیں وہ الگ باتیں سنا کر جاتیں۔ راحیلہ بیگم صحیح معنوں میں عاجز اور پریشان ہو گئی تھیں۔

اشفاق صاحب متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کی محلے میں ہی چھوٹی سی پرچون کی دکان تھی۔ جس کی آمدنی سے گھر کا گزارہ بمشکل ہوتا تھا۔ وہ تین بھائی اور دو بہنیں تھیں اور سب ہی زیر تعلیم تھے۔ ان کی والدہ گو کہ دینی و دنیاوی تعلیم سے مکمل نابلد تھیں مگر بہت سلیقہ مند اور بہترین خاتون تھیں۔ ان پڑھ ہوتے ہوئے بھی انہوں نے گھر میں سلائیاں کرکے شوہر کا معاش میں ہاتھ بٹایا۔ بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی' کفایت شعاری کے باعث کچھ بڑی بیٹی کا جہیز بھی تیار کرتی گئیں۔ اشفاق صاحب جن کا نمبر بڑے بھائی اور بہن کے بعد تیسرا تھا وہ بہت محنتی اور دولت کمانے کی جستجو کرنے والے تھے اور ان کی جستجو رنگ لائی۔ وہ جس شوروم میں نوکری کررہے تھے وہاں ان کی سعودیہ سے آئے ایک شیخ سے ملاقات ہوئی۔ اس شیخ کو ان کے اندر موجود بہترین صلاحیتیں متاثر کر گئیں۔ اس طرح وہ ماں باپ اور بہن بھائیوں کی دعائیں لے کر سعودیہ روانہ ہوگئے۔ وہاں جاکر انہوں نے اپنی بے پناہ محنت' خوش اخلاقی سے اس شیخ کے دل میں جگہ بنالی۔ پھر وہ کامیابیوں کی منزلیں طے کرتے چلے گئے۔ گھر میں بھی ان کے خوشحالی آگئی۔ دونوں بھائیوں اور بہنوں کی اچھے گھرانوں میں شادیاں ہوگئیں۔ بھائیوں نے اپنے اپنے بزنس کرلیے۔ اب وہ اس پرانے گھر کو چھوڑ کر ڈیفنس میں محل نما کوٹھی میں رہ رہے تھے۔ ابا کا انتقال ہوگیا تھا۔ بڑے بھائی اخلاق اپنی فیملی کے ساتھ الگ رہتے تھے۔ احسان صاحب کی فیملی کے ساتھ امی حضور رہ رہی تھیں۔

اشفاق صاحب نے دس سال کے عرصے میں دنیا دیکھ ڈالی تھی وہ وہ ایک معمولی سے ہیلپر کی جاب پر سعودیہ آئے تھے ان کی ایمانداری اور محنت نے دس سال بعد انہیں خود بڑے بزنس کا مالک بنادیا تھا اور بزنس کے سلسلے میں وہ دنیا کے مشہور ممالک دیکھ چکے تھے۔ اس دوران وہ تین مرتبہ پاکستان آئے تھے وہ بھی بہت کم عرصے کے لیے۔ تیسری مرتبہ جب وہ آئے تو امی نے زبردستی ان کی شادی کرنے کی ٹھان لی۔ کیونکہ وہ ابھی تک کنوارے تھے ان کی شروع سے یہی رٹ تھی جب تک ان کا بزنس اپنا نہیں ہوجاتا وہ شادی نہیں کریں گے۔ وہ عید منانے پاکستان آئے تو امی حضور نے اپنا فیصلہ انہیں سنادیا' انہوں نے خاموشی سے ہامی بھرلی تھی یوں راحیلہ جو دولت مند فیملی سے تعلق رکھتی تھی اور امی حضور کی میلاد کی محفل میں ان کی والدہ سے ان کی ملاقات ہوئی تھی ان کی نگاہ انتخاب ان پر ٹھہری اور اس طرح راحیلہ بیگم شادی کے کچھ عرصے بعد ان کے ساتھ سعودیہ روانہ ہوگئیں اور اشفاق صاحب کے ساتھ وہ بھی ملکوں ملکوں گھومنے لگیں۔ اشفاق صاحب کا بزنس ریڈی میڈ ملبوسات کا تھا۔ جس کے آرڈرز اور نیو ورائٹی کے لیے وہ گھومتے رہتے تھے۔ شادی کے سات سال بعد مہکار پیدا ہوئی تھی۔ اشفاق صاحب گھر سے دور رہتے ہوئے بہن بھائیوں کے بچوں سے دور رہے تھے۔ شادی کے اتنے عرصے بعد اپنی بیٹی کو دیکھ کر ان کی پدرانہ شفقت نے جوش مارا تھا اور مہکار ان کی سانسوں میں مہک بن کر دوڑنے لگی تھی۔ وہ بیوی سے زیادہ اس کا دھیان رکھتے تھے۔ بزنس کے باعث انہیں فرصت کم ہی ملتی تھی مگر مہکار کے لیے انہیں اپنے بزنس کے نقصان کی بھی پروا نہیں تھی۔ اس کی بچپن سے ہی ہر جائز و ناجائز ضد وہ فوراً پوری کردیا کرتے تھے۔ راحیلہ بیگم انہیں منع کرتیں۔ سمجھاتیں مگر وہ بیٹی کے معاملے میں کچھ بھی سننے کے روادار نہیں تھے۔ اس کی پیدائش امریکا میں ہی ہوئی تھی اور اس کی اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ کچھ عرصے کے لیے وہیں بزنس

سیٹ کر چکے تھے۔ مہکار پانچ سال کی ہوئی تو اسکول کی چھٹیوں میں وہ پاکستان آئے۔ وہاں سب لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مہکار جو شروع سے ہی مما پپا کے علاوہ اپنی ٹیچرز کو دیکھتی آئی تھی پاکستان میں ڈھیروں اجنبی چہرے دیکھ کر گھبرا جاتی۔ سب اسے لیتے پیار کرتے۔ مگر وہ اشفاق صاحب کے سینے سے لپٹی رہتی۔

دوسرا چکر انہوں نے لگایا تو مہکار دس سال کی ہو چکی تھی اب وہ ایک سمجھدار بچی تھی مگر اس کے مزاج عام بچوں سے مختلف تھے۔ اس نے کسی کزنز کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا تھا۔ اپنے کھلونے لیے اشفاق صاحب کے ساتھ ساتھ رہتی۔ راحیلہ بیگم کے پاس تو وہ بہت کم رہتی تھی اس بار بھی اس کی طبیعت کو سب نے بچہ سمجھ کر نظرانداز کردیا تھا۔ اس دفعہ جانے کے بعد اشفاق صاحب نے نو سال تک پاکستان کا چکر نہیں لگایا۔ انہوں نے اپنا بزنس بحرین میں سیٹ کرلیا تھا۔ شہزاد کی شادی کے لیے بھی انہیں بلایا گیا۔ ان دنوں مہکار کے بی اے کے فائنل ایگزام ہو رہے تھے۔ انہوں نے معذرت کرلی۔ اب زرین کی شادی میں شرکت کے لیے احسان صاحب نے بھی آنے کے لیے شدید اصرار کیا تھا۔ امی حضور بھی بہت ناراض ہوئیں اور اخلاق صاحب نے بڑے بھائی ہونے کے ناتے ڈانٹ پلائی تو انہوں نے راحیلہ بیگم اور مہکار کو فوری بھیجنے کا وعدہ کرلیا اور خود بزنس کی وجہ سے شادی سے ایک ہفتہ قبل آنے کی ہامی بھرلی۔ ایک سلونی شام وہ دونوں ماں بیٹی کراچی ائرپورٹ پر موجود تھے جنہیں ریسیو کرنے کے لیے تقریباً آدھا خاندان ائرپورٹ پر موجود تھا اور باقی گھر میں ان کا استقبال بہت گرم جوشی و محبت سے کیا گیا۔

''ارے یہ مہکار ہے؟ یہ کتنی کالی ہوگئی' بچپن میں تو بڑی سرخ و سپید تھی۔'' امی جان سے گلے ملتی لائٹ گرین پلین سوٹ پر بلیک واسکٹ پہنے مہکار جس کا سنہری چہرہ بہت فریش اور جاذب نظر لگ رہا تھا ایک دم سے بجھ گیا۔

''ہاں مجھے بھی یقین نہیں آرہا یہ مہکار ہے؟''

رفعت حسب عادت مسکراتی ہوئی طنزیہ لہجے میں بولیں۔ امی حضور سے علیحدہ ہوتی ہوئی مہکار کے لب بھنچ گئے تھے۔

''تمہاری بھتیجی لاکھوں میں ایک ہے۔'' بڑی پھوپو عتیقہ اسے لپٹاتے ہوئے بولیں۔ ان کے بعد بھی رشتے دار ملنے کے لیے آتے رہے مگر وہ جو کمرے میں قید ہوئی تو پھر باہر نہیں نکلی۔ راحیلہ بیگم پریشان اس کو سمجھانے کی کوشش کرتیں مگر وہ چٹان بنی ہوئی تھی۔

آج بھی زرین کے سسرال والے شادی کی ڈیٹ لینے آئے ہوئے تھے۔ گھر میں ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ دونوں پھوپو اور تایا اپنی فیملیز کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ خاندان کے خاص خاص رشتے دار بھی جمع تھے۔ زبردست شوروغل کی آواز بند کمرے میں بھی گونج رہی تھی۔

''چلو بیٹا تیار ہوجاؤ۔ سب مہمان آچکے ہیں۔ آپ کی دادی اور آنسہ پھوپو بار بار آپ کا پوچھ رہی ہیں۔ آنسہ پہلے بھی چار مرتبہ آچکی ہیں۔ آپ کی ایک دفعہ بھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ وہ بہت بے قرار ہیں آپ سے ملنے کے لیے۔'' وہ اس کے براؤن سرخی مائل بال سنوارتی ہوئی بولیں۔

''کیوں مجھ میں ایسی کیا بات ہے؟'' وہ اپنے مخصوص چڑچڑے لہجے میں بولی۔

''وہ سگی پھوپو ہیں آپ کی' آپ سے محبت ان کی فطری بات ہے۔''

''یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔ یہاں کے لوگوں کی دوسروں میں خامیاں ڈھونڈنے کی عادت ہے۔ ہم غیروں میں ٹھیک تھے مما' وہاں مجھے کسی نے بھی کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں بدمزاج و چڑچڑی ہوں۔ بدصورت و کالی ہوں۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔ راحیلہ بیگم کا تو گویا کسی نے دل نوچ لیا۔

''کس نے کہا ہے؟ میری بیٹی کو کالی بدصورت؟'' وہ اسے سینے سے لگاتی ہوئی شدید غصے سے بولیں۔

''ان کی زبان نہیں آنکھیں کہتی ہیں۔'' وہ آنسو

صاف کرتی ہوئی بولی۔

"مجھے نام تو بتاؤ، پھر دیکھو میں کیسے کہنے والوں کے دماغ درست کرتی ہوں۔ تماشا بنا کر رکھ دیا ہے میری جان کو۔ مجھے نام بتاؤ ان کے؟ میری بیٹی جیسی حسین اور ایجو کیٹڈ لڑکی پورے خاندان میں نہ ہوگی۔" راحیلہ بیگم کے جسم میں پتنگے لگ گئے تھے۔ لاڈلی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ جل کر رہ گئی تھیں۔

"چھوڑیں مما ہمیں کون سا یہاں مستقل رہنا ہے۔ چلے جائیں گے کچھ عرصے بعد واپس بحرین۔"

"اب آپ جلدی سے تیار ہو جائیں۔ میں آپ کے کپڑے نکالتی ہوں۔ وہ بیگ کی طرف بڑھتی ہوئی بولیں۔ اسے بھی شاید ان پر ترس آگیا تھا جو خاموشی سے تیاری میں لگ گئی تھی۔

"ماشاء اللہ کتنی پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی۔ کون لڑکی کر سکتی ہے میری بیٹی کا مقابلہ۔" راحیلہ بیگم اس کا ماتھا چوم کر بولیں۔ گولڈن شلوار دوپٹے بلیک کلر کی جھلملاتی قمیص زیب تن کیے وہ کوئی پری لگ رہی تھی۔ مستزاد لائٹ میک اپ نے اس کے سنہرے رنگ کو چمکا دیا تھا۔ عارض دمک اٹھے تھے۔ کالی بڑی بڑی آنکھوں میں مغرورانہ چمک تو ہر وقت رہتی تھی۔ ستواں ناک کے نیچے نازک لب پنک لپ اسٹک سے گلاب کی مانند لگ رہے تھے۔ کانوں میں پرل کے بلیک گولڈن آویزے تھے۔ بالوں کو اس نے گولڈن اسکارف سے باندھ رکھا تھا۔ اس نے دوپٹہ درست کیا۔ سوٹ کے میچنگ کے کھسے پہنے اور پرس لے کر راحیلہ بیگم کے ساتھ باہر نکل آئی۔ موسم سرد تھا۔ اس وجہ سے دوسرے فلور پر بنے ہال کو مہمانوں کے لیے کھول دیا گیا تھا۔ نیچے صرف ملازم نظر آ رہے تھے جو کھانے کا انتظام کرتے پھر رہے تھے۔ مہکار راحیلہ بیگم کے ساتھ دوسرے فلور پر آ گئی۔ ہال بہت بڑا تھا اور بہت جدید طریقے سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ ہال میں قدم رکھتے ہی اسے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اندر نیچے قالین پر تمام نوجوان پارٹی موجود تھی۔ ہال کے دوسرے پورشن میں تمام گھر کے بڑے بیٹھے تھے۔ تیز آواز میں انگلش میوزک بج رہا تھا۔ لڑکیوں کے قہقہے اور بھاگتے دوڑتے بچوں کی بے پناہ شور نے ہنگامہ مچا رکھا تھا۔

"مما! یہ ہم کہاں آگئے ہیں۔" وہ ارد گرد دیکھتے ہوئے منہ بنا کر بولی۔ مما کچھ نہیں بولیں کیونکہ انہیں اندر آتا دیکھ کر آنسہ بے تابی سے مہکار کی طرف بڑھی تھیں۔

"ماشاء اللہ مہکار نے کیا رنگ روپ نکالا ہے۔" وہ حیران سی مہکار کو سینے سے لگا کر بھینچتی ہوئی بولیں۔

"بالکل بھائی جان کی کاپی ہے۔" وہ اس کی پیشانی چومتی ہوئی بولیں۔ راحیلہ بیگم مسکراتی ہوئی اپنی ساس کی طرف آگے بڑھ گئی تھیں۔

"بالکل غلط کہہ رہی ہیں امی آپ، ماموں جان تو ماشاء اللہ بہت حسین سرخ و سپید رنگت کے مالک ہیں۔" ان کے پیچھے آتا ہوا شمویٔل اس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہوا جلانے والے انداز میں بولا۔

"میری بیٹی کسی سے کم ہے؟ دیکھ لو پوری محفل میں الگ لگ رہی ہے میری بیٹی۔" وہ مہکار کے چہرے کے رنگ کو تیزی سے تبدیل ہوتے دیکھ کر شمویٔل کو گھورتی ہوئی پیار سے بولیں۔

"ظاہری بات ہے ڈھیروں گلابوں میں "بلیک روز" تو الگ نمایاں ہوتا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔

"آنٹی انہیں "پٹہ" ڈال کر رکھیں۔" وہ زہر خند سے کہتی ہوئی ایک ادا سے آگے بڑھ گئی۔

"دیکھ لی آپ نے امی اپنی بھتیجی صاحبہ کی تمیز؟" شمویٔل براؤن واسکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بولا۔ آنسہ بیگم ہکا بکا کھڑی تھیں انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے خوش مزاج، ملنسار بھائی کی بیٹی اس قدر بد تمیز، منہ پھٹ ہوگی۔

"غلطی اس کی نہیں تمہاری ہے نہ سوچتے ہو نہ سمجھتے ہو۔ ہر کسی سے مذاق شروع کر دیتے ہو۔" وہ اپنی جھینپ مٹانے کے لیے اسے ہی الزام دیتی ہوئی بولیں۔

"تم کیا بزرگوں میں گھسی بیٹھی ہو؟ آؤ نا وہاں سب جمع ہیں بڑا مزا آرہا ہے۔" فرحین، راحیلہ بیگم کے قریب صوفے پر بیٹھی منہ پھلائے مہکار سے بولی۔
"جاؤ بیٹا۔" راحیلہ بیگم اس کے انکار کرنے سے قبل ہی بول اٹھیں۔ وہاں گھر کے سب بڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ان کی طرف دیکھتی ہوئی زبردستی فرحین کے ساتھ اس پورشن میں آگئی جہاں سب کزنز جمع ہنگامہ مچائے ہوئے تھے۔
"یہ چھوٹی پھوپو کی بیٹی اربہ ہے۔" فرحین نے گلابی چہرے والی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو بلو کڑھے ہوئے سوٹ میں پھول کی طرح کھل رہی تھی۔ مہکار نے اس کے چہرے پر رشک بھری نگاہ ڈالتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔
"یہ چھوٹی پھوپو کی بہو ہیں مہوش بھابی، پچھلے سال ہی یہ ہماری بھابی بنی ہیں۔" مہوش بھی سرخ و سپید چہرے والی پرخلوص لڑکی تھی۔ بہت گرمجوشی سے اس سے ملی تھی۔ فرحین نے وہاں موجود تمام لڑکیوں سے اس کا تعارف کروایا تھا۔ سب لڑکیاں سرخ و سپید رنگت کی مالک تھیں۔ مہکار انہیں دیکھ کر بہت زیادہ کمپلیکس کا شکار ہوگئی تھی۔
"کتنے بدتمیز بچے ہیں، کس قدر شرارتیں کررہے ہیں۔" وہ شور مچاتے بچوں کو دیکھ کر بگڑے لہجے میں بولی۔
"پلیز آہستہ بولو نا سب کی والدائیں بیٹھی ہیں۔ برا مان جائیں گی۔" فرحین اس کا ہاتھ دباتی ہوئی گھبرا کر آہستہ سے بولی۔
"برا ماننے کی کیا بات ہے بچے ان کی بے پروائی کی وجہ سے تو بدتمیز ہوئے ہیں۔" وہ کندھے اچکاتی ہوئی بولی۔
"آؤ چلو زرین آپی کے پاس چلتے ہیں۔" فرحین گھبرا کر اس کو دوسرے کمرے میں لے آئی جہاں زرین کے پاس سب کزنز بیٹھی تھیں۔ وہیں صوفوں پر تمام لڑکے بیٹھے ہوئے تھے۔
"آہ، یہ اندھیرا کیسا چھا گیا؟ مجھے کچھ نظر نہیں آرہا۔ مجھے کچھ نظر نہیں آرہا۔ آہ... یہ کیسا اندھیرا، میری آنکھوں میں چھا گیا۔" فرحین کے ساتھ مہکار دروازہ کھول کر جیسے ہی اندر داخل ہوئی شموئل اس کو دیکھتے ہی چیخنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسے تاثرات تھے جیسے اسے کچھ نظر نہ آرہا ہو۔ وہ اندھوں کی طرح ادھر ادھر ہاتھ لہراتا ہوا چیخ رہا تھا۔ سب بوکھلا کر اس کے گرد جمع ہوگئے تھے۔ "ابھی تو کتنا ہنسا رہے تھے لطیفے سنا سنا کر یہ اچانک کیا ہوگیا۔"
تایا کی بیٹی فریحہ پریشانی سے بولی۔ کمرے کی تمام لائٹیں آن کردی گئیں۔ اسے صوفے پر بٹھا کر کوئی سر دبا رہا تھا کوئی پاؤں۔ زرین خوفزدہ سی اپنے آنچل سے اس کے چہرے پر ہوا کررہی تھی۔ مہکار بھی حیرانی سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ اس وقت اسے سب فراموش کرچکے تھے۔
"اربہ آنٹی کو بلا کر لاؤ نا۔" مہوش گھبرا کر بولی۔
"بھابی! انہیں مت پریشان کریں۔ ان کے آنے سے میری آنکھیں نہیں آجائیں گی۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "میری آنکھیں تو بلیک بیوٹی کی نذر ہوگئی ہیں۔" مہکار نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کی شرارت بھری آنکھوں کی چمک اس سے مخفی نہیں رہ سکی۔ وہ فوراً ہی بات کی تہ تک پہنچ گئی۔ اس نے قہر بھری نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور سرخ چہرہ لیے پستول سے نکلی گولی کی طرح دروازہ دھاڑ بند کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ وہ جو سب شموئل کو مشورے دینے میں مصروف تھے۔ دروازے کی آواز پر اس طرف متوجہ ہوئے مگر وہ جاچکی تھی۔
"ارے یہ مہکار کو کیا ہوا؟" فرحین حیرت سے بولی۔
"فکر مت کرو فرشتے جلدی جلدی میں اس کے کچھ اسکرو ٹائٹ کرنے بھول گئے ہیں۔" فرہاد کی اطلاع پر وہاں زبردست قہقہہ پڑا تھا۔
"ارے شموئل بھائی ٹھیک ہوگئے۔" تعجب خیز آوازوں سے کمرہ گونج اٹھا تھا۔
"کچھ دیر کے لیے کالی آندھی آنکھوں پر چڑھ گئی

تھی۔ آندھی گئی، آنکھیں آ گئیں۔"

"آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" فریحہ لاڈ بھرے لہجے میں بولی۔ ان کا اشارہ کوئی نہیں سمجھا تھا۔ شموئل کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ ابھی تک تھی۔

ایک ہفتے بعد زرین کی شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو چکی تھیں۔ روزانہ شاپنگ سینٹرز کے چکر لگ رہے تھے۔ لڑکیاں جدید ملبوسات کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی امنگ میں ٹیلرز کو بوکھلائے ہوئے تھیں۔ عورتیں اپنے بچوں اور شوہروں کے لیے شاپنگ میں الجھی ہوئی تھیں۔ رفعت آنٹی وغیرہ زرین کے جہیز کے سامان کو پیک کروانے میں مصروف تھیں۔ چچا، تایا شادی کے انتظامات میں مصروف تھے۔ پورے گھر میں مصروفیات پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک اس بے پروا آدم بیزار مہکار کا وجود تھا گھر میں جو ہر دلچسپی سے یکسر بے نیاز اپنے کمرے میں بند اپنے مشاغل میں لگی رہتی تھی۔ راحیلہ بیگم نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

"بہو، مہکار کہاں ہے؟ سب لڑکیاں نظر آ رہی ہیں۔" دادی جان سروتے سے چھالیہ کاٹتی ہوئیں زرین کے مایوں کے جوڑے کو دیکھتی ہوئی راحیلہ بیگم سے بولیں۔

"وہ کمرے میں ہے۔" راحیلہ بیگم آہستہ سے بولیں۔

"سارے خاندان کی لڑکیاں آ گئی ہیں۔ کیسی ہنستی کھلکھلاتی تتلیوں کی طرح پورے گھر میں گھوم رہی ہیں۔ یہ کون سا موقع ہے کمرے میں بند ہو کر بیٹھنے کا؟ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے۔ خاندان والے کیا رنگ ڈھنگ دیکھیں گے تمہاری بیٹی کا۔ وہ کوئی بچی نہیں رہی۔ پڑھائی سے بھی فارغ ہو گئی ہے۔ کون ایسی لڑکی کو بہو بنائے گا۔ اس کے مزاج ہمیشہ آسمان پر رہتے ہیں۔"

"امی حضور! آپ ہمیں بتائیں میں کیا کروں؟ میں سمجھ رہی تھی ہم اپنے ملک سے دور ہیں اپنے لوگوں سے دور ہیں جب ہم اپنوں میں جائیں گے تو مہکار مل جل جائے گی سب میں۔ کیونکہ وہاں تو سب غیر ہی ہیں اور ملاقات بھی آپس میں کبھی پارٹی وغیرہ میں ہوا کرتی تھی کسی سے۔ اب یہاں اس کا رویہ دیکھ کر مجھے خود اتنی شرمندگی اٹھانی پڑ رہی ہے۔ یہاں آ کر ہی میں نے محسوس کیا ہے وہ میرے کنٹرول سے باہر ہے۔" راحیلہ بیگم اس وقت ساس کے پاس تنہا بیٹھی تھیں۔ دیورانی، جیٹھانی اور نہ ہی کوئی نند تھی۔ اس لیے وہ بھی آزردہ سی دل کی بات ان سے کہہ رہی تھیں۔

"یہ نئی بات کی تم نے، بیٹی تو ماں سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ وہ باپ سے مانوس کیوں ہو گئی اتنی؟" وہ پان بنا کر منہ میں رکھتی ہوئی بولیں۔

"انہوں نے اس پر توجہ ہی اتنی دی ہے۔" وہ دانستہ ساس کے سامنے اشفاق صاحب کا نام نہ لے سکیں۔

"راحیلہ ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہو، تیار ہونا بھی۔ مہمان آنا شروع ہو چکے ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد زرین کو مایوں بٹھا دیں گے۔" ان کی بڑی نند عتیقہ اندر آ کر بولیں تو وہ تیار ہونے کے لیے کمرے سے نکل گئیں۔

"لائٹ گرین جارجٹ کے اے لائن فراک سوٹ پر بلیک کوٹی پر ملٹی کلرز کی کڑھائی میں ملبوس وہ بڑی شان و بے نیازی سے اکڑی ہوئی بیٹھی تھی۔ بڑا سا گرین دوپٹہ اس کے شانوں پر تھا۔ کانوں میں اس کے جگمگاتے ڈائمنڈ کے ٹاپس تھے۔ سنہری چہرے پر میک اپ کے بغیر بھی خاصی کشش تھی۔ ہونٹ اس کے ڈارک میرون لپ اسٹک سے حسین لگ رہے تھے۔ بالوں کی سادہ چوٹی اس کے بائیں شانے پر پڑی تھی۔ تمام کزنز اور رشتے دار لڑکیاں وہاں موجود مایوں کے بعد گانے اور دوسرے پروگرامز کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ کچھ کزنز نے اسے بھی اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی تھی مگر وہ بہت سرد مہری سے انکار کر چکی تھی۔ اسے اپنے غیر ممالک میں پرورش پانے اور اپنے باپ کی بے حساب دولت پر حد سے زیادہ گھمنڈ تھا۔ وہ بچپن سے ہی شہزادیوں جیسی زندگی گزارتی آئی تھی اور ان کے

تعلقات بھی اعلیٰ ترین فیملیز سے رہے تھے۔ یہاں اپنے لوگوں میں آنے کے بعد اس کے مزاج اور زیادہ آسمان پر پہنچ گئے تھے۔ کیونکہ اشفاق صاحب کے خاندان میں زیادہ تر رشتے دار متوسط گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اس کی پذیرائی بھی بہت اچھی طریقے سے کی تھی۔ ہمارے معاشرے میں باہر سے آنے والے رشتے داروں کو اتنی اہمیت و فوقیت دی جاتی ہے جیسے وہ آسمان سے اتر کر آئے ہوں۔ یہی حال اس کا تھا۔ راحیلہ بیگم تو خوش مزاج تھیں وہ سب سے ہی اخلاق سے ملی تھیں اور سب میں ساتھ لائے ہوئے تحائف بھی تقسیم کیے تھے مگر مہکار کی زرپرست سوچ نے الٹا اثر لیا تھا۔ وہ اپنے معیار سے کم لوگوں سے بات کرنا پسند ہی نہیں کرتی تھی۔ اگر کوئی شامت کا مارا رشتے دار مارے مروت کے اس سے فری ہونے کی کوشش کرتا تو وہ تیوری پر بل ڈالے ایسی رعونت سے جواب دیتی کہ مخاطب دوبارہ بات کرنے کی ہمت ہی نہ کرتا۔

شموئل کلینک سے سیدھا ماموں کے ہاں ہی آگیا تھا۔ کیونکہ اس کی فیملی زرین کی شادی کے سلسلے میں شرکت کرنے کے لیے آج یہاں آگئی تھی۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے شموئل کی نظر سامنے بڑے کمرے میں صوفے پر بڑے کروفر سے بیٹھی مہکار پر پڑی۔ اس کے لب بے ساختہ مسکرا اٹھے۔ وہ صوفے پر اس طرح اکڑی بیٹھی تھی جیسے کوئی مغرور شہزادی اپنی کنیزوں کے درمیان بیٹھی ہو۔ شموئل کی رگ شرارت پھڑکی تھی مگر پھر وہ خاموشی سے میڈیکل بکس اٹھائے نانی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تھکا ہوا تھا اور باتھ لے کر اپنی تھکن دور کرنا چاہتا تھا۔ اس کی نگاہوں میں مہکار کا چہرہ تھا۔ اسے اپنی اس مغرور بدمزاج' بددماغ کزن کو تنگ کرنے میں بہت مزا آتا تھا۔

وہ مما کے اصرار پر نیچے زرین کے پاس آکر بیٹھی تھی۔ اور وہاں موجود لڑکیوں کو گانے وغیرہ کے پروگرام بناتے دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ زرین کے لیے دادی جان کے حکم پر اس کے کمرے کے ایک کونے میں خوب صورت پھولوں کی لڑیوں سے پردہ بنادیا گیا تھا۔ نیچے قالین پر اس کے لیے نرم بڑا سا بستر بچھا ہوا تھا۔ جہاں گول تکیوں کے سہارے کزنز اور سہیلیوں میں مایوں کے پیلے جوڑے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مہکار اس کے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی۔

''کیسی ہو بھئی مہکار؟'' بڑے تایا کی بیٹی شمسہ وہاں بیٹھتی ہوئی مہکار کے شانے پر بے تکلفی سے ہاتھ مارتی ہوئی بولی۔

''میری آپ سے فرینڈشپ کب ہے' جو آپ یوں بے تکلف ہو رہی ہیں۔'' وہ اپنا شانہ سہلاتے ہوئے سخت لہجے میں بولی۔ شمسہ شرمندگی کے مارے وہاں بیٹھی لڑکیوں سے نگاہ نہ ملاسکی۔ اس کا موڈ آف ہوچکا تھا۔ زرین کے روکنے کے باوجود وہ وہاں نہیں رکی۔

''ارے لڑکیو! اب بچے کا پیچھا چھوڑ بھی دو۔ سارے دن کا تھکا ہوا اسپتال سے آیا تھا۔ اب تم نے ملے گلے میں لگالیا۔ دادی جان لڑکیوں کے بیچ ڈھولک سنبھالے بیٹھے ہوئے شموئل کو دیکھ کر پیار سے بولیں۔ جس کے مسکراتے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔

''سچ شموئل بھائی کی آواز میں غضب کی کشش ہے۔ ان کو ڈاکٹر نہیں سنگر بننا چاہیے تھا۔'' ایک کزن متاثر لہجے میں بولی۔ سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

شموئل پچھلے سال ہی امریکا سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر آیا تھا۔ اس نے ہارٹ سرجری میں اسپشلائز کیا۔ یہاں آتے ہی اسے گورنمنٹ اسپتال میں جاب مل چکی تھی اور اس نے اپنا ایک درمیانے درجے کا چھوٹا سا اسپتال نما کلینک بھی کھول لیا تھا جو بہت تھوڑے عرصے میں بہت پاپولر ہوگیا تھا۔ شموئل بذات خود بہت شوخ و شرارتی طبیعت کا مالک تھا۔ لمبے قد اور وجیہہ و سپید رنگت اور اعلیٰ ترین جاب کی وجہ سے خاندان کی لڑکیوں اور والداؤں میں بہت پسند کیا جاتا تھا۔ لڑکیوں کا آئیڈیل تھا بلکہ بڑے ماموں کی بیٹی فریحہ جو خاندان کی سب سے زیادہ خوب صورت لڑکی

تھی وہ تو اپنا حق سمجھتی تھی اسے۔ وہ فری بھی بہت تھا اس سے۔

"اگر ڈاکٹر بامروت و خوش اخلاق ہو تو مریض کا آدھا مرض تو ڈاکٹر کی باتوں سے ہی چلا جاتا ہے۔" وہ کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ اس کی متلاشی نگاہیں راحیلہ بیگم کے ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ مگر وہ وہاں بھی نہیں تھی۔ اس کی ایک جھلک اس نے گیٹ سے اندر آتے ہوئے دیکھی تھی۔ پھر وہ ڈریس چینج کر کے آیا تو وہ کمرے سے جا چکی تھی۔ اس کے بعد وہ کسی کام میں نظر نہیں آئی تھی۔ راحیلہ بیگم کو اس نے تین چار بار اوپر کے چکر لگاتے ضرور دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پر عجیب بے بسی و جھنجلاہٹ کے آثار ہوتے تھے۔

"یہ لو بیٹا فرہاد کے کمرے کی چابی۔ اس کے پاس ہی سو جانا اور تو سب کمروں میں مہمان ہیں۔" رفعت بیگم اسے چابی دیتی ہوئی بولیں۔

"فرہاد سو گیا ہے کیا؟" وہ چابی لیتا ہوا بولا۔

"ہاں وہ مجھ سے ایک چابی پہلے لے گیا تھا۔"

"چلو بھئی سوئیں گے دو بج رہے ہیں نیند آرہی ہے۔" شموئیل کے جاتے ہی فریحہ بھی اٹھ گئی۔

"ہاں ظاہر سی بات ہے نیند تو آئے گی؟" فرحین اسے چھیڑتے ہوئے بولی۔

شموئیل نے دروازے کے لاک کو کھول کر اندر قدم رکھا۔ کمرہ نائٹ بلب کی خوابناک روشنی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہیٹر آن ہونے کی وجہ سے کمرہ گرمایا ہوا تھا۔

"اوہ یہ یہاں مزے سے سو رہا ہے پڑا ہوا۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ ماموں کے ساتھ گیا ہوا ہے؟" اس نے دروازہ لاک کر کے سلیپر سائیڈ میں اتارے اور بیڈ پر بے خبر سوتے ہوئے فرہاد کے برابر پر لیٹ گیا۔

"سو رہا ہے یا مر گیا؟" اس نے اس پر سے کمبل کھینچ کر اوڑھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ایک زوردار لات اس کی کمر پر جمائی تھی۔ دوسرے ہی لمحے کمرہ نسوانی چیخ سے گونج اٹھا۔ اس نے بوکھلا کر اپنے برابر دیکھا اور دوسرے لمحے اس کو کمرے کی چھت خود پر گرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ جسے اس نے فرہاد سمجھ کر لات جمائی تھی۔ وہ مہکار تھی۔ جو شدید تکلیف سے تڑپ کر رہ گئی تھی۔ وہ تکلیف اور حیرانگی سے اپنے قریب سکتے کی کیفیت میں بیٹھے شموئیل کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سیاہ آنکھیں بری طرح پھیلی ہوئی تھیں۔

"آپ..... آپ..... یہاں تو فرہاد سو رہا تھا؟" بولڈ اور حاضر دماغ شموئیل بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

"مجھ سے سانس نہیں لیا جا رہا۔" مہکار بمشکل اٹھتے ہوئے بولی۔ پھول کی پار بھی جن کو پتھر بن کر لگتی ہے وہ اس مزاج کی لڑکی تھی۔ جو شمسہ کا ہلکا سا بے تکلفی کا تھپڑ نہ برداشت کر سکتی تھی۔ شموئیل جیسے توانا و جوان مرد کی بھرپور لات نے اس کی کمر کی ہڈیاں ہلا کر رکھ دیں تھیں۔ اسے لگ رہا تھا اس کا سانس بند ہو جائے گا۔

"آپ..... آپ زور زور سے سانس لیں۔" وہ پریشانی سے بولا۔ نائٹ بلب کی روشنی میں گلابی ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں ملبوس، دوپٹے سے بے نیاز بکھرے بال، گہری نیند سے جاگی سرخ سرخ خمار آلود آنکھیں لیے وہ دوسری دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس کے چہرے سے نگاہ نہ ہٹا پاتا مگر اس وقت اسے دونوں کی بھیانک بدنامی کا ڈر تھا۔ وہ خوفزدہ تھا۔ اس کی چیخنے کی آواز نیچے نہ چلی گئی ہو۔

"آپ یہاں آئے کیوں ہیں؟" وہ بری طرح روتی ہوئی بولی۔ تکلیف کے باعث اس سے سیدھا نہ بیٹھا جا رہا تھا۔

"آہستہ بولو۔ نیچے سب جاگ رہے ہیں۔ بتا تو رہا ہوں۔ آنٹی نے چابی دی تھی کہ فرہاد یہاں سو رہا ہے۔ آپ اس کمرے میں کیوں ہیں؟" وہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکا تھا۔

"اس کمرے میں چھپکلی میرے بیڈ پر گر گئی تھی۔ نہ معلوم کہاں سے؟ میں اس کمرے میں دوبارہ نہیں سو سکتی تھی۔ مما نے دوسرے کمرے دیکھے سب میں مہمان تھے۔ اس کمرے میں فرہاد بھائی انہیں نظر آگئے تھے۔ ممی نے وہ کمرہ انہیں دے دیا اور میں اس کمرے

میں سر درد کی گولی کھا کر سوگئی۔ شاید اس ٹیبلیٹ کی وجہ سے مجھے اتنی گہری نیند آئی ہے۔ ورنہ آپ اس طرح اندر نہیں آسکتے تھے۔" وہ آنسوؤں کے دوران اسے گھورتی ہوئی بتانے لگی۔

"میں کہہ رہا ہوں۔ خود نہیں آیا ہوں۔ بلکہ غلط فہمی سے آگیا ہوں۔" وہ زچ ہو کر بولا۔

"پھر اب جائیں نا کیوں ہیں یہاں پر۔" وہ آہستگی سے سیدھی ہوتی ہوئی بولی۔

"یہ آپ اس طرح مت سیدھی ہوں۔ ریڑھ کی ہڈی کو نقصان پہنچے گا۔ اپنے دونوں ہاتھ دیں میرے ہاتھوں میں۔"

"کیوں؟ میں نہیں دیتی۔" وہ غصے سے بولی۔

"یہ ضد کا وقت نہیں ہے اگر ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تو آپ ہمیشہ کے لیے محتاج ہو جائیں گی۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے رخساروں پر بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر اپنے کانپتے ہاتھ رکھ دیے۔ اس کے لباس سے نکلتی مسحور کن مہک شموئیل کی نس نس میں بس گئی تھی۔ اس نے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے ایک زوردار جھٹکا اسے دیا تھا۔ مہکار کی گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی تھی تکلیف سے۔ دوسرے لمحے وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ کمر کا درد بالکل غائب ہو گیا تھا۔ شموئیل دور صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"جائیں آپ کیوں بیٹھے ہیں یہاں؟" درد غائب ہوتے ہی وہ جھٹکے سے بیڈ سے اترتی ہوئی بولی۔

"دروازے سے تو نہیں جاسکتا۔ کسی نے دیکھ لیا تو کل کی سب سے بڑی خبر ہماری ہی ہوگی۔" شموئیل باہر کھلنے والی کھڑکی کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ مہکار کچھ نہیں بولی۔

شموئیل نے آہستہ سے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا۔ نیچے اسٹور نما کمرہ تھا۔ جہاں آٹے چاول وغیرہ کی بوریاں اچھی تعداد میں رکھی تھیں۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

"ارے بھئی اب جائیں بھی مجھے اب سخت نیند آرہی ہے۔" وہ اسے دیکھ کر جھنجلا کر بولی۔

"نیچے دیکھے بغیر چھلانگ ماردوں اور لنگڑا ہو کر بیٹھ جاؤں؟ اچھا ہے یہاں سے دور جاؤں۔ تاکہ مجھے کچھ نظر آئے۔" وہ زیادہ خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ کھڑکی خاصی وسیع تھی اور اس کے آگے ریلنگ وغیرہ کوئی نہیں تھی۔ شموئیل ایک جست میں اس پر چڑھ گیا۔ دونوں پاؤں اس نے کھڑکی سے باہر لٹکائے وہ ابھی چھلانگ لگانے کے لیے مناسب جگہ دیکھ رہا تھا کہ مہکار نے دونوں ہاتھوں سے اسے نیچے دھکا دے دیا۔ وہ اس اچانک دھکے سے سنبھل نہ پایا تھا نیچے گرتا چلا گیا۔

"اب پتا چلے گا۔ کیسے آنکھوں میں اندھیرا چھاتا ہے؟" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کھڑکی اندر سے بند کرلی اور پردہ درست کرکے بیڈ پر لیٹ گئی۔ اسے شموئیل کو دھکا دینے کا ذرا بھی دکھ یا خوف نہیں تھا۔

"آخر تجھے سوجھی کیا تھی؟ رات کو چھت پر چڑھنے کی؟" نانی جان لیٹے ہوئے شموئیل سے بولیں۔

"میں نے سنا ہے آدھی رات کو آکاش سے پریاں اترتی ہیں۔ مجھے تو بچپن سے شوق ہے پریوں سے ملنے کا سو موقع دیکھ کر میں چھت پر چڑھ گیا۔ ابھی میں آسمان پر نگاہیں جمائے پریوں کی آمد کا منتظر ہی تھا کہ نہ معلوم کس طرح لڑکھڑا کر چھت سے نیچے گرا اور یہ آپ کی دعاؤں کا اثر تھا کہ میں آٹے کی بوریوں پر گرا تھا ورنہ اس بدروح نے مجھے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔" آخری جملے وہ آہستہ سے بڑبڑایا تھا۔

"بچپن چھوڑے ہوئے بھی عرصہ ہو گیا مگر پریاں ابھی تک خیال سے نہیں نکلی ہیں۔"

"کل کو پھوپو یہ گاتی ہوئیں نظر آئیں گی۔ وہ پری کہاں سے لاؤں تیری دلہن کیسے بناؤں؟" فرہاد ہنستا ہوا بولا۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے سب مسکرا اٹھے۔

"زرین کی شادی کا سارا مزا کرکرا ہو گیا۔" آنسہ بیگم کے پاس بیٹھی ہوئی فریحہ منہ بنا کر بولی۔ وہ کھڑکی سے بے اختیار گرا تھا اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ نیچے آٹے کی بوریاں تھیں۔ جس پر وہ گرا تھا۔ اس لیے

اس کی ہڈیاں تو بچ گئیں تھیں مگر وہ شدید درد کے باعث دو دن بستر سے اٹھ نہ سکا۔ ان دو دنوں میں زرین رخصت ہوچکی تھی۔ اور اس کا ولیمہ بھی ہوگیا تھا۔ فریحہ نے دونوں تقاریب شموئیل کی غیر موجودگی کی وجہ سے بے دلی سے اٹینڈ کی تھیں۔ وہ بے حد وجیہہ‘ اسمارٹ شموئیل کو دل وجان سے چاہتی تھی۔ شموئیل نے بھی اس کی دیوانگی محسوس کی تھی مگر وہ اسے ایسا کوئی رسپانس نہیں دے سکا تھا۔ جس سے اس کے جذبوں کو زندگی ملتی۔ کزنز سے شوخیاں وشرارتیں کرنا تو اس کی فطرت میں شمار تھا مگر فریحہ سے وہ بہت محتاط ہوکر بات کرتا تھا کہ کہیں وہ اس کی کسی شوخی کو غلط پیرائے میں نہ لے لے مگر وہ خود کو سنبھال نہ سکی تھی۔

”اشفاق صاحب حسب وعدہ زرین کی شادی سے ایک دن پہلے پاکستان آگئے تھے اور انہیں دیکھ کر جہاں مسرت کا احساس ہوا وہیں مہکار میں بھی خوشگوار تبدیلی محسوس کی تھی۔ وہ اشفاق صاحب کے ساتھ سب تقریبوں میں شریک ہوئی تھی۔ اس کی دلچسپی کی وجہ شموئیل کی غیر موجودگی تھی۔ اس کی وجہ سے وہ زیادہ کمرے میں بند رہنے لگی تھی۔ اس کا رنگ گندمی تھا‘ چہرے کے نقوش بہت خوبصورت تھے اور اس کی منفرد نشست وبرخاست نے اسے دلکش وپرکشش بنادیا تھا مگر وہ اپنے گندمی رنگ کی وجہ سے کمپلیکس کا شکار تھی۔ ماں باپ کے درمیان وہ خود کو کمتر محسوس کرتی تھی مگر ان کی بے پناہ محبت اور توجہ کی وجہ سے کبھی ان پر ظاہر نہ کرسکی تھی۔ یہاں آتے ہی پہلا ریمارکس اسے تائی کی جانب سے ملا تھا‘ پھر چچی کی طنزیہ تائید بھی‘ کچھ رشتے داروں نے بھی حیرت کا اظہار کیا تھا کہ وہ سرخ وسپید ماں باپ کی بیٹی کس پر گئی سب سے زیادہ زچ اسے شموئیل نے کیا تھا۔ وہ دانستہ اس کی موجودگی میں کمرے سے باہر نہیں آتی تھی اگر نادانستہ اس کا اس سے ٹکراؤ ہوجاتا تو وہ غیر محسوس انداز میں نئے نئے ریمارکس اسے دیتا تھا۔ کوئی سمجھتا یا نہیں مگر وہ اس معاملے میں بے حد حساس تھی۔ اس کے پہلے جملے پر ہی وہاں سے پلٹ جاتی تھی۔ اس لیے وہ اس سے الرجک تھی۔

مغربی افق پر سرخی چھائی ہوئی تھی‘ سورج پہاڑوں کے پیچھے آہستہ آہستہ گم ہوتا جارہا تھا‘ موسم ٹھنڈا تھا۔ شفاف آسمان پر بادلوں کے سفید ٹکڑے تیرتے پھر رہے تھے‘ پنچھی قطار درقطار اپنے آشیانوں کی طرف تیزی سے محوپرواز تھے۔ مہکار پرپل سوٹ پر بلیک سوئیٹر پہنے اردگرد سے بے نیاز قدرتی حسین نظاروں میں کھوئی ہوئی تھی اس بات سے بے خبر کہ کوئی خاموشی سے دبے قدموں چلتا ہوا اس کے پیچھے آکھڑا ہوا ہے۔ وہ ریلنگ سے جھکی چائے پیتی ہوئی ڈوبتے سورج کو دیکھنے میں مصروف تھی۔ اچانک اسے محسوس ہوا کوئی چیز چھت سے اس کے سر پر گری ہو۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی‘ بائیں ہاتھ سے سر جھاڑا تو ہاتھ میں نرم سی چیز آئی اور ہاتھ میں پکڑی چھپکلی پر جیسے ہی اس کی نظر گئی اس کی بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ ایک جھٹکے سے اس نے اسے دور پھینکا‘ چائے کا کپ تو پہلے ہی گر کر ٹوٹ گیا تھا۔

”ارے اتنی ننھی سی چھپکلی سے ڈرتی ہیں؟“ ستون کے پیچھے سے شموئیل نکلتا ہوا قہقہہ لگا کر بولا۔

”اگر آپ پر گرتی نا تو پھر پوچھتی؟“ وہ ہونٹ کاٹتی ہوئی اسے گھور کر بولی۔

”یہ لیجیے ہم پر گرگئی۔ اب پوچھیے کیا پوچھنا چاہتی ہیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے فرش پر پڑی چھپکلی اپنی ہتھیلی پر رکھ لی۔ چھپکلی بے حس وحرکت اس کے ہاتھ پر پڑی ہوئی تھی۔

”آخر آپ اپنی ان اوٹ پٹانگ حرکتوں سے ثابت کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟“ وہ اس کی شرارت سمجھ گئی تھی۔ زہر خند سے بولی۔ ”کیا ضرورت تھی یہ ربڑ کی چھپکلی میرے سر پر ڈالنے کی؟“

”چھپکلی کو آپ کا سر پسند آگیا تھا۔ وہ خود ہی میرے ہاتھ سے پھسل کر آپ کے سر پر گرگئی۔“ براؤن پتلون پر براؤن شرٹ پہنے اس کا دراز قد نمایاں تھا۔ سرد ہوا کے باعث اس کا وجیہہ چہرہ سرخ ہورہا تھا‘ گھنی مونچھوں تلے اس کے لبوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔

Digestlibrary.com

"اگر اس دن میں آٹے کی بوریوں کے بجائے فرش پر گر جاتا تو؟" وہ سینے پر ہاتھ باندھے اس کے مقابل کھڑا ہو گیا تھا۔

"تو گر جاتے کس نے منع کیا تھا۔" وہ لاپروائی سے کندھے جھٹک کر بولی۔

"میں ابھی سب گھر والوں کو بتاتا ہوں۔ آپ نے مجھے دھکا دیا تھا۔" شموئیل نے اسے خوفزدہ کرنا چاہا۔

"شوق سے بتائیں پھر سب خود ہی آپ سے پوچھ لیں گے آدھی رات کو آپ میرے بیڈروم میں کیوں آئے تھے؟ اوکے' بائے۔" وہ اسے چڑانے والے انداز میں بولی اور سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے چلی گئی۔ شموئیل لاجواب سا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

* ...... * ...... *

انہیں پاکستان آئے ہوئے دو ماہ ہو چکے تھے اور یہ پہلی دفعہ ہوا تھا جو وہ اتنی لمبی مدت یہاں رکے تھے۔ پہلے گھر والوں کو تجسس تھا پھر رشتے داروں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ اشفاق صاحب بہت پریشان و مضمحل دکھائی دے رہے تھے۔ حالانکہ انہوں نے کوشش تو بہت کی اپنی حالت پوشیدہ رکھنے کی مگر بڑھتے دنوں کے ساتھ ان کی پریشانیاں بھی بڑھتی جارہی تھیں۔ ان کے بڑے اسٹاک گودام اور کارخانے میں شارٹ سرکٹ کے باعث آگ لگ گئی تھی۔ جس سے تمام مال' فیبرکس اور مہنگی ترین مشینیں جل گئی تھیں' دو مزدور بھی آگ کی لپیٹ میں آکر ہلاک ہو گئے تھے۔ اس صورتحال سے ان کی مخالف پارٹیوں نے فائدہ اٹھایا۔ دو مزدوروں کی ہلاکت کا جواز بنا کر ان پر مقدمہ کر دیا گیا۔ اشفاق صاحب جو نیک اور دنیاوی چالاکیوں سے پاک تھے وہ اپنے دشمنوں کی چال میں بری طرح پھنس گئے۔ جھوٹے مقدمے پر پانی کی طرح پیسہ بہا دیا مگر وہ مقدمہ جیت نہ سکے۔ مخالف پارٹی کو ہرجانے کے طور پر لاکھوں ڈالرز انہیں دینے پڑے۔ مزدوروں میں بھی پھوٹ پڑ چکی تھی۔ ان کے مطالبے روز بروز بڑھتے گئے اور آخر انجام کار بقیہ کارخانوں میں تالے ڈالنے پڑے' فارن اکاؤنٹس ان کے ختم ہو چکے تھے۔

بالکل ان کا تباہ ہو گیا۔ وہ کاروبار جسے جمانے کے لیے انہوں نے ہر قدم مضبوطی سے رکھا تھا۔ مختصر سے عرصے میں یوں تباہ ہوا تھا کہ وہ بری طرح ہراساں و پریشان ہو گئے تھے۔

ان کے حالات سے بھائی بہن' ماں سب آگاہ ہو گئے تھے۔ بھائیوں نے وقتی تسلی دے کر آنکھیں چرالیں تھیں' بہنیں' بھائی کے دکھ میں شریک تھیں' امی حضور کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ سب کو حیثیت دلوانے والا ان کا بیٹا عمر کے کس دور میں آکر گردش معاش میں پھنسا تھا۔

اس وقت بھی وہ راحیلہ بیگم کے ساتھ ان کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پروقار چہرے پر دکھ جیسے ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔

"میرے بچے دکھ نہیں کر' پیسہ تو آنی جانی چیز ہے۔ اللہ جلد تیرے حالات بدل دے گا۔"

"امی! حالات بدلنے کا دکھ مجھے اتنا نہیں ہے۔ جتنا اپنوں کے بدلنے کا دکھ مجھے اندر سے تنہا کر گیا ہے۔ میں نے کیا کچھ نہیں کیا بھائیوں کے لیے۔ وہاں سے بے حساب پیسہ بھیجا ہے۔ ان کے کاروبار کے لیے پھر بچوں کے بزنس' منگنیوں اور شادیوں کے لیے بھی مجھ سے پیسہ منگواتے رہے ہیں۔ میں نے کبھی ان میں فرق محسوس نہیں کیا۔ کبھی یہ نہیں سوچا ان کے بزنس کا پیسہ کہاں جاتا ہے مگر آج میرے سگوں نے میری بیٹی کو بہو بنانے سے انکار اس لیے کیا ہے کہ وہ ایک تباہ حال بزنس مین کی بیٹی ہے۔ میں نے اپنے بازو' اپنے بھائی سمجھ کر بات کی کہ اپنے ہی اپنوں کو سمیٹتے ہیں مگر انہوں نے میرا سارا مان' میرا سارا فخر مٹی میں ملا دیا۔" ان کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ امی کے دل پر تو جیسے کسی نے چھری چلا دی تھی۔ راحیلہ بیگم بے اختیار رونے لگیں۔

"مت روؤ میرے بچو۔" وہ ان دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بھرائی آواز میں بولیں۔ "یہ نفسانفسی کا دور ہے۔ اب بیٹے ماں کی نہیں بیوی کی عزت کرتے ہیں' مہکار بہت اچھی لڑکی ہے صرف تمہارے بے

جالاڈ پیار نے اسے بگاڑ دیا ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ لڑکی کو بہت سمجھداری سے پرورش کرنا پڑتا ہے مگر تم نے کبھی میری بات کو اہمیت نہیں دی۔“

”امی! میری بیٹی میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اکلوتے بچے لاڈ پیار میں ایسے ہو جاتے ہیں پھر بیٹیاں تو موم کا سا مزاج رکھتی ہیں۔ حالات کے سانچے میں خود کو ڈھال لیتی ہیں۔ میری بیٹی بھی جس کے گھر میں جائے گی اجالا کردے گی۔ یہ بڑی بھائی کی غلط سوچ ہے۔ جو کہتی ہیں مہکار بہت بدمزاج اور بد تہذیب لڑکی ہے۔ انہیں گھر چلانے کے لیے ایک خوش مزاج اور بااخلاق لڑکی چاہیے۔ بڑے بھائی خاموش بیٹھے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ میرے جذبات واحساسات سے بے خبر۔ دوپہر کو میں نے احسان سے بات کی کہ وہ مہکار کو اپنی بہو بنالے۔ تاکہ اس کی طرف سے بے فکر ہو کر میں دوبارہ کاروبار سیٹ کرنے میں لگوں۔ تو اس نے جواب دیا۔ فرہاد تو بچپن سے ہی ان کی سالی کی بیٹی میں انٹرسٹ ہے اور بہت جلد وہ وہاں اس کی منگنی کرنے والے ہیں۔ وہ جھوٹ بول رہے تھے۔ ان کی آنکھیں زبان کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ اپنوں کے منافقت زدہ چہروں نے میرا دل اس دنیا سے اچاٹ کردیا ہے۔ سچ امی حضور میرا دل نہیں چاہتا اب زندہ رہنے کو۔“ وہ ان کے آنچل سے منہ چھپاتے ہوئے بولے۔

* ...... * ...... *

”پپا ہم بحرین کب واپس چلیں گے؟“ مہکار انہیں چائے بنا کر دیتی ہوئی پوچھنے لگی۔

”کیوں آپ کو اپنا ملک پسند نہیں آیا؟“ وہ چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولے۔

”نہیں، یہ میں نے کب کہا مجھے پسند نہیں آیا۔ آپ نے کہا تھا۔ ہم زیادہ عرصہ یہاں نہیں رکیں گے۔“

”اب شاید کبھی بھی واپس نہ جاسکیں۔ کیونکہ ہم آپ کی شادی کرنے کا سوچ رہے ہیں۔“ اس سے چائے لیتی ہوئی راحیلہ بیگم سنجیدہ لہجے میں بولیں۔ مہکار تمام حالات سے بے خبر تھی۔ اشفاق صاحب نے سب کو سختی سے منع کردیا تھا اسے کچھ نہ بتانے کو۔ وہ اسے پریشان نہیں دیکھ سکتے تھے۔

”شادی؟ میں نہیں کروں گی۔ میں پاپا کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتی۔“ وہ جھٹکے سے اٹھ کر صوفے پر بیٹھے اشفاق صاحب کے کاندھے سے لپٹ کر بھیگے ہوئے لہجے میں بولی۔

”بیٹیاں کتنی بھی لاڈلی ہوں۔ انہیں ایک دن وداع ہونا ہی پڑتا ہے۔“ راحیلہ بیگم بولیں۔

”راحیلہ! ابھی تو ایسی باتیں نہ کرو۔ میرا دل چھلنی ہو رہا ہے۔ وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔“ وہ اسے سینے سے لگاتے ہوئے بولے۔ ان کی آنکھوں میں پانی چمکنے لگا تھا۔

”ہاں میری بیٹی تھوڑی ہے۔ صرف آپ کی ہے نا اسی لیے آپ کو دکھ ہوگا۔“ وہ مسکرا کر بولیں۔

* ...... * ...... *

”امی حضور، بھائی جان کے ساتھ جو ہو رہا ہے۔ اچھا نہیں ہو رہا۔ آپ بڑی ہیں گھر کی۔ آپ کو دونوں بھائیوں پر زور ڈالنا چاہیے۔ آپ کی بات کیسے نہیں مانیں گے۔“ دادی جان آج آنسہ کے ہاں آئی ہوئی تھیں۔ ان کو وہ سب بتادیا تھا جو رات کو اشفاق صاحب نے انہیں سنایا تھا۔

”بیٹے جب بہوؤں کے غلام ہو جائیں تو ماں کی اہمیت ان کی نگاہوں میں کونے میں پڑے فالتو پتھر جیسی ہو جاتی ہے۔ وہ بیویوں کی چلانے والے ماں کی کہاں سنیں گے؟“

”کیسا خون سفید ہوگیا ہے آج کل کے وقت میں۔ جس بھائی نے ہم سب کے لیے اس قدر قربانیاں دیں، ہماری اچھے گھرانوں میں دھوم دھام سے شادیاں کیں۔ بھائیوں کو کاروبار کروائے۔ ان کے ہر ہر قدم پر پیسہ پھولوں کی طرح نچھاور کیا۔ آج اس عظیم بھائی پر وقت پڑا تو سب نے ہی آنکھیں پھیر لیں۔ ان کو سہارا دینے کے بجائے ان کا دل دکھایا۔“ وہ دکھ سے بولیں۔

”پیسہ تو اس نے کسی سے مانگا بھی نہیں ہے۔ صرف بیٹی کے رشتے کی بات کی تھی۔ اس پر اسے ایسی

باتیں سننے کو ملی ہیں کہ میرا بچہ زندگی سے بیزار ہوگیا۔ سچ ہے کہ تلوار کے زخم بھر جاتے ہیں مگر زبان کے زخم کبھی نہیں بھرتے۔" دادی جان آنکھیں پونچھتی ہوئی بولیں۔

"میں مہکار کو بہو شوق سے بنالوں مگر شموئیل میں اور اس میں ایک لمحے کی نہیں بنتی اور بعد میں کہیں ایسی ویسی بات ہوگئی تو بھائی سے بھی رشتہ ٹوٹ جائے گا۔"

"ہاں۔ میں بھی اسی وجہ سے خاموش ہوں۔ شموئیل اور مہکار کے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

"السلام علیکم۔ ہمیں یاد کیا اور ہم حاضر۔" شموئیل ہاتھ میں میڈیکل بکس لیے اندر آکر بولا۔

"وعلیکم السلام۔ جگ جگ جیو۔" وہ اس کے جھکے ہوئے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"کیا ہوا نانی جان؟ آپ رو رہی ہیں؟" وہ ان کے نزدیک بیٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں بیٹا۔ میں کیوں روؤں گی؟" وہ آنکھیں صاف کرتی ہوئیں بولیں۔

"میں سمجھا نانا جان یاد آرہے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"پرے ہٹ بے حیا۔" وہ اس عمر میں بھی لجا کر بولیں۔

"امی جان پبلک کہاں ہے؟ گھر میں بڑا سکون ہے؟" وہ آنسہ سے مخاطب ہوا۔

"اریبہ، مہوش کے ساتھ اپنی سہیلی کی شادی میں گئی ہے، فرحان کمرے میں سو رہا ہے۔"

"امی اگر چائے مل جائے اس وقت تو ساری تھکن اتر جائے میری۔ دو آپریشنز کیے ہیں آج، بڑے سیریس تھے۔ خدا کا شکر ہے کامیاب ہوئے ہیں۔" وہ ان کے بیڈ پر لیٹتا ہوا بولا۔

"اشفاق ماموں سے ملے ہو؟"

"جی بہت مرتبہ۔ وہ اتنے گریٹ ہیں لگتا ہے ہمارے ماموں اس دنیا کے باسی نہیں ہیں۔ بہت نفیس ہیں مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"بیٹا بھی خوش اخلاق ہے اور بہو بھی، نہ معلوم وہ بدمزاج و بدماغ کس پر چلی گئی؟" وہ بڑبڑائیں۔

"کیا بات ہے نانی آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں؟" شموئیل ان کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"ارے کیا بتاؤں؟ دن کا سکون، راتوں کی نیند سب غائب ہوگئی ہے۔"

"اچھا یہ تو بڑی رومانٹک بیماری ہے۔ یقیناً رات کو آپ کا تارے گننے کو دل چاہتا ہوگا۔ چاندنی راتیں اچھی لگتی ہوں گی اور......"

"بدتمیز جو منہ میں آتا ہے۔ بکنے لگتا ہے۔ میری عمر ہے اب ان باتوں کی۔"

اسی وقت آنسہ چائے بنا کر لے آئیں اور اشفاق صاحب کے متعلق انہیں بتانے لگیں۔

"ماموں جان کو ضرورت کیا تھی؟ مہکار کے لیے رشتے کی بھیک مانگنے کی؟" وہ بگڑے لہجے میں بولا۔

"نہیں کیا پتا تھا۔ بھائی احسان فراموش نکلیں گے اگر بھائی جان کا کاروبار سلامت ہوتا تو سب کی کوشش ہوتی۔ مہکار کو بہو بنانے کی پھر اس کی ہر برائی خوبی بن جاتی۔" آنسہ بولیں۔

"ماموں جان کو میرا خیال نہیں آیا۔ کیا میں اس قابل نہیں ہوں ان کی نک چڑی بیٹی کو اپنا سکوں؟" وہ چائے پیتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں بولا۔ وہ دونوں کپ ہاتھوں میں پکڑے حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"میں نے غلط بات کہہ دی ہے؟" وہ حیرانگی سے بولا۔

"ہر وقت مذاق اچھا نہیں ہوتا شموئیل۔ ہم بہت پریشان ہیں۔" آنسہ غصے سے بولیں۔

"یہ بھی عجیب دستور ہے۔ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ سمجھا جاتا ہے۔ امی جان میں ہر وقت مذاق نہیں کرتا۔ سنجیدہ ہوں میں اس وقت اگر ماموں جان فرسٹ ٹائم ہی یہاں ذکر کردیتے تو انہیں کبھی اتنی مایوسی نہیں ہوتی۔ آپ ماموں جان سے بات کرلیں۔" اس کے لہجے میں اٹل سنجیدگی تھی۔

”دیکھو بیٹا‘ یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو تمہیں ایک دن پچھتانا پڑے‘ مہکار کے مزاج سے تم اچھی طرح واقف ہو۔“ نانی جان ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھیں۔

”مزاج اس کے میں درست کردوں گا۔ آپ فکر مت کریں۔ آپ جلدی سے ماموں سے بات کریں۔“ مسرت اس کے وجیہہ چہرے سے عیاں تھی۔ نانی جان نے سکون کا سانس لیا۔

* ...... * ...... *

”میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا ممی یہ کیا ہو رہا ہے۔ پپا پریشان ہیں مگر مجھ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے‘ آپ بھی مجھے کچھ نہیں بتاتیں‘ آنسہ پھوپو اور ان کا بیٹا آپ دونوں اور دادی جان سے کمرے میں اتنی دیر تک کیا باتیں کرتے رہے؟ مجھ سے کیا چھپایا جارہا ہے؟ مجھے بتاتیں کیوں نہیں ہیں آپ۔“ مہکار روتے ہوئے بولی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم پریشان مت ہو۔“ وہ اسے سینے سے لگاتی ہوئی بولیں۔

”کچھ ہے مما‘ کچھ بات ضرور ہے۔ جسے مجھ سے سیکرٹ رکھا جارہا ہے۔“

”ابھی ہم اپنی بیٹی کو بتادیتے ہیں۔ آپ سے بھلا ہم کچھ چھپا سکتے ہیں؟“ اشفاق صاحب کمرے میں آکر بولے اور اسے صوفے پر اپنے نزدیک بٹھا کر گویا ہوئے۔ ”بیٹا! بچپن سے آج تک ہم نے آپ کی کوئی ایسی ضد‘ کوئی ایسی خواہش نہ ہوگی جو ہم نے پوری نہ کی ہو۔ آج ہم آپ کے پپا‘ آپ سے ایک خواہش کررہے ہیں۔ بتائیں آپ پورا کریں گی؟“ وہ اس کے چہرے پر نگاہ ٹکا کر بولے۔

”آپ کیسی باتیں کررہے ہیں پاپا؟ کیا ہوگیا ہے آپ کو؟“ وہ گھبرا کر بولی۔

”آپ میری بات کا جواب دیں۔ ہاں یا ناں؟“ وہ اسی لہجے میں بولے۔

”پاپا! آپ پر اور مما پر میری جان بھی قربان ہے۔ میں آپ کی ہر خواہش پوری کروں گی۔“

”آپ کی آنسہ پھوپو کا بیٹا ہے شموئیل۔ بہت لائق اور بہترین ذمے دار لڑکا ہے۔ ہم نے اس کا پروپوزل آپ کے لیے منظور کرلیا ہے اس امید کے ساتھ کہ ہماری بیٹی ہماری عزت پر حرف نہیں آنے دے گی۔“ اشفاق صاحب بول رہے تھے اور اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ شخص جو اسے بلیک روز‘ بلیک بیوٹی‘ بلیک ڈائمنڈ کے نام سے پکارتا تھا۔ کس طرح اسے شریک حیات کے طور پر قبول کرے گا۔“

”مشرقی بیٹی کی پہچان یہی ہے وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بے پناہ قابل ہونے کے باوجود ماں باپ کے فیصلے کو ہی اپنا فیصلہ سمجھتی ہے۔ مجھے امید ہے‘ میری پیاری بیٹی اپنے باپ کا سر نہیں جھکائے گی۔“ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ماں سے بول رہے تھے۔ راحیلہ بیگم خاموش بیٹھی ہوئی اپنے بے قابو ہوتے آنسوؤں کو بمشکل کنٹرول کررہی تھیں۔

”جواب دیں نا بیٹا؟“ وہ گم صم بیٹھی مہکار سے بولے۔

”آپ کی عزت پر میری جان بھی قربان ہے پپا۔“ وہ ان سے لپٹ کر بری طرح رودی۔

ایک دن آنسہ بیگم بہو کے ہمراہ آکر اس کی انگلی میں شموئیل کے نام کی انگوٹھی پہنا گئی تھیں بھائی کے حالات دیکھتے ہوئے انہوں نے منگنی کا پروگرام نہیں کیا تھا۔ ویسے بھی شادی ان کا بہت جلد کرنے کا ارادہ تھا۔ انگوٹھی پہناتے ہی پورے خاندان میں اس رشتے کا چرچا ہوگیا تھا۔ فریحہ کا صدمے سے برا حال تھا مگر وہ الزام شموئیل کو نہ دے سکتی تھی کہ اس نے کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ اس خبر نے اسے زیادہ نڈھال کردیا تھا کہ یہ منگنی شموئیل کی پسند اور ضد سے ہوئی ہے۔ وہ رو رو کر بے حال ہو رہی تھی۔

”ہم اپنوں سے دور تھے۔ کتنا اچھا تھا۔ سال چھے مہینے میں سب کے پر خلوص لیٹرز مل جاتے تھے کتنا اچھا لگتا تھا پڑھ کے کہ سب پاکستان میں ہم سے کتنی محبت کرتے ہیں‘ کتنا یاد رکھتے ہیں مگر یہاں آکر وہ مثال ”دور

کے ڈھول سہانے'' سچ ثابت ہوئی۔ ان ڈھائی ماہ کے عرصے میں سب سگے رشتے داروں کے چہروں سے جھوٹے خلوص و محبت کی چمک اس طرح غائب ہوئی ہے جیسے پیتل کے زیور سے سونے کی پالش بہت جلد اتر جاتی ہے۔ دادی جان گو کہ زبان کی بہت صاف ہیں جو دیکھتی ہیں منہ پر ہی کہہ دیتی ہیں۔ وہ صاف گو ہونے کے باوجود بہت اچھی اور محبت کرنے والی ہیں' بڑی پھوپو بھی بہت محبت کرتی ہیں اور آنسہ پھوپو نے یہ انگوٹھی مجھے پہنا کر گویا دونوں بھائیوں سے دشمنی مول لی ہے۔ وہ دونوں اپنی بیٹیوں کے لیے ان کے لائق کماؤ ڈاکٹر بیٹے کے لیے آنکھیں بچھائے منتظر تھے۔ ان دونوں کے رشتے کی خبر ملتے ہی انہوں نے راہ رسم ہی ختم کردی تھی۔ احسان انکل کی فیملی ایک ہی جگہ رہتے ہوئے ان سے بات کرنے کی روادار نہیں تھی' اشفاق صاحب اور راحیلہ بینک گئی ہوئی تھیں۔ وہ کمرے میں لیٹی اپنی سوچوں میں گم تھی۔ شموئیل نے اس سے ملنے کی بہت کوشش کی تھی مگر وہ اسے گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھتے ہی اپنے کمرے میں بند ہوجاتی اور جب تک اس کے جانے کی تصدیق نہیں ہوجاتی وہ کمرے کا دروازہ ہی نہیں کھولتی تھی۔ نہ معلوم یہ اس رشتے کے ناتے آنے والی حیا تھی یا اس کی جھجک و کمپلیکس وہ اس جذبے کو کوئی نام نہیں دے پائی تھی۔

اسے کمرے میں لیٹے بہت وقت گزر گیا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور دوپٹہ درست کرتی کمرے سے نکل کر دادی جان کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

''دادی جان! مما پپا ابھی تک نہیں آئے۔'' وہ بیڈ پر لیٹی تسبیح پڑھتی ہوئی دادی سے پریشان لہجے میں بولی۔

''آجائیں گے ابھی' کسی دوست کے ہاں چلے گئے ہوں گے۔'' وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولیں مگر بہت وقت گزر جانے کے بعد بھی ان کی واپسی نہیں ہوئی تو ان دونوں کو فکر ہوئی۔ وہ احسان چچا کے پاس جا کر بتانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی اور دوسری طرف سے جو خبر اسے ملی وہ ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو کر نیچے گر گئی۔ اشفاق اور راحیلہ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا اور دونوں موقع پر ہی ہلاک ہوگئے تھے۔

انہیں سپرد خاک ہوئے آج تیسرا دن تھا۔ مہکار اس اندوہناک صدمے سے ذرا نہیں سنبھلی تھی۔ اس کی حالت پاگلوں جیسی ہوگئی تھی یا تو پرسکون رکھنے کے لیے لگائے گئے انجکشن کے زیر اثر سوتی رہتی اور ہوش میں آنے کے بعد اس طرح روتی کہ اسے سنبھالنا دشوار ہوجاتا۔ اس کا بیڈ دادی جان نے اپنے کمرے میں ہی ڈلوالیا تھا۔ وہ اس کی مکمل دیکھ بھال کررہی تھیں۔ وہ ویسے بھی مجسمے کی طرح خاموش رہی تھی۔

چالیسویں کے بعد سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوچکے تھے۔ جانے والے چلے جاتے ہیں۔ دنیا کے میلے یونہی رواں دواں رہتے ہیں۔ مہکار کی دنیا میں بھیانک طوفان اپنی تباہ کاریاں چھوڑ گیا تھا۔ وہ فری ہونے کی تو کسی سے بھی عادی نہ تھی۔ اب تو اس کی دنیا صرف دادی جان میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ اپنی نصیحتوں کے صندوق کھولے ہر وقت اسے کوئی نہ کوئی بات سمجھاتی رہتیں۔ جو اسے شروع شروع میں تو اچھی لگیں مگر ہر وقت کی گردان سے وہ تنگ آگئی مگر انہیں کچھ کہہ نہ سکتی تھی۔ ممی پپا کی یاد اسے شدت سے آتی اور پھر آنسو روکے نہیں رکتے۔ دو ماہ کے عرصے کے بعد آنسہ بیگم نے شادی کی تاریخ لے لی تھی۔

اربہ کا منگیتر ابو ظہبی سے آیا تھا۔ اسے بزنس کی وجہ سے ایک ہفتے کے اندر واپس جانا تھا۔ شموئیل ان دنوں ہارٹ سرجری کے آپریشنز میں بے حد مصروف تھا۔ اس کی مصروفیات کے پیش نظر آنسہ بیگم نے اربہ کو شادی کرکے رخصت کردیا تھا۔ ابو ظہبی جاتے وقت جہاں اسے دکھ گھر والوں سے بچھڑنے کا تھا۔ وہاں زیادہ صدمہ شموئیل کی شادی میں شرکت نہ کرنے کا تھا۔ وہ ڈھیروں دعاؤں کے سنگ اپنے شوہر کے ساتھ ابو ظہبی روانہ ہوچکی تھی۔ شموئیل کے فارغ ہوتے ہی انہوں نے شادی کی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ شموئیل کے چہرے پر سچی مسرت کی روشنی پھیلی ہوئی تھی جس سے اس کا [illegible] زیادہ روشن ہوگیا تھا۔

ایک ہفتے سے گھر میں شادی کا فنکشن جاری تھا۔ تمام رشتے دار، دوست احباب گھر میں جمع تھے۔

"آج کے دن تو گھر میں بیٹھ جاؤ۔ اسپتال تو ساری زندگی جاتے رہو گے۔ شادی ایک دفعہ ہی ہوتی ہے کوئی روز روز تھوڑی۔ شام کو بارات لے کر جانا ہے۔" شموئیل جو اسپتال جانے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ مہوش اس کے ہاتھ سے بکس چھین کر بولی۔

"یہ ضروری تھوڑی ہے۔ ایک ہی دفعہ شادی ہو۔ یہ تو آدمی پر منحصر ہے۔ وہ کتنی برداشت کر سکتا ہے۔" وہ ہنستا ہوا بولا۔

"بس، بس، ابھی ایک کو تو بھگت لو پھر اور کی بات کرنا۔" وہ بھی ہنستی ہوئی بولیں۔

"ایک تو نانی جان نے وہاں جانے پر پابندی لگادی ہے۔ ورنہ ایک نظر اسے دیکھتا کیسی لگ رہی ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"دیکھ لینا دل بھر کر چھ گھنٹے کا انتظار کرلو۔"

"ایک بات یاد رکھ لیں۔ میک اپ اس کا بالکل نہیں کروائیے گا تاکید کر رہا ہوں آپ کو۔"

"ابھی گھر نہیں آئی ہے اور حکم ابھی سے منوانے شروع ہو گئے۔" وہ مسکرا کر بولیں۔

"بڑے ماموں کی فیملی کیا وہاں سے شریک ہوگی؟ ماموں وغیرہ کوئی نہیں نظر آئے؟"

"ممانی تو فریحہ کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے نہیں آئیں۔ ماموں ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اب تم جھٹ پٹ اپنے دوستوں کو بیڈ روم سے نکالو۔ تاکہ وہاں کی صفائی کی جائے اور تم بھی تیاری شروع کردو۔ شام پانچ بجے بارات وہاں پہنچنی چاہیے۔"

"شموئیل ولاز روشنیوں میں بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ دلہن رخصت ہو کر آچکی تھی۔ مہمان ہال سے ڈنر کے بعد رخصت ہوگئے تھے۔ اب گھر میں خاص خاص لوگ باقی بچے تھے۔ عورتیں اور لڑکیاں دلہن کے ساتھ خاندانی رسموں میں مصروف تھیں۔ شموئیل بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس ڈرائنگ روم میں دوستوں کے ساتھ گپ شپ لڑا رہا تھا۔ فرہاد اس کے ساتھ تھا۔

"اتنا ٹوٹ کر روپ آیا ہے یار تم پر لگتا ہے۔ بھابی ہوش و حواس کھودیں گی۔" اس کا ایک ساتھی ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔

"بے فکر رہیے۔ وہ مقابل کے ہوش و حواس اڑا دینے میں ماہر ہیں بلکہ صبح یہ موصوف اپنا نام گھر والوں سے پوچھتے پھریں گے۔" فرہاد کی بات پر زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

"بھائی میں کمزور اعصاب کا مالک نہیں ہوں۔" شموئیل مسکرا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد سب دوست اس سے اجازت لے کر جاچکے تھے۔ فرہاد سامنے کوچ پر بے خبر سو رہا تھا اور وہ اپنی خوش کن سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ مہکار جو واقعی محبت کی مہکار بن کر اس کی رگ رگ میں سماگئی تھی۔ اس کے خیالوں میں، خوابوں میں، تصورات پر وہ بادل بن کر چھاگئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ بے شمار لڑکیوں کے درمیان گزارا تھا۔ چار سال وہ امریکا جیسے ماڈرن ملک میں رہ کر آیا تھا۔ وہاں بھی حسین و بیباک لڑکیاں اس کی دوست رہی تھیں مگر کسی سے بھی بات دوستی سے آگے نہیں بڑھائی تھی۔ اسپتال جوائن کرنے کے بعد بھی اس کی ساتھی ڈاکٹرز اور کولیگز لڑکیاں رہی تھیں مگر کوئی بھی اسے اس قدر متاثر نہیں کر سکی تھی۔ جو مہکار دیوانہ بنا گئی تھی۔ لان میں گرین سوٹ میں آنکھوں پر پٹی باندھے بچوں کو پکڑنے میں ناکامی پر جھنجلائی ہوئی مہکار کو دیکھ کر اس کے دل سے آواز آئی۔ "یہی ہے وہ جس کو نگاہوں کی تلاش تھی۔" پھر جذبے صادق ہیں منزل مل جایا کرتی ہے۔ آج وہ اس کی چاہتوں کی امین بن کر اس کے بیڈ روم میں موجود تھی۔

"میرے خیال میں آج آپ لوگوں کا رت جگے کا پروگرام ہے۔ خدارا مجھ پر رحم کریں۔ ایک بج رہا ہے۔ مجھے سخت نیند آرہی ہے۔ صبح اسپتال جلدی جانا ہے۔" کافی انتظار کے باوجود بھی جب مہوش بھابی اور رشتے کی بھابیاں اس کے بیڈ روم سے نہیں باہر آئیں تو

Digestlibrary.com

وہ اندر آکر عاجزی سے بولا۔
"اوہ نیند؟" وہ چاروں معنی خیزی سے ہنسنے لگیں۔ ان کے انداز پر وہ بری طرح جھینپ گیا۔ "اگر نیند آرہی ہے۔ اندر والے کمرے میں سوجاؤ؟ کس نے روکا ہے۔"
"کیا لیں گی آپ لوگ یہاں سے جانے کا؟" وہ ان چاروں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ جنہوں نے بیڈ پر بیٹھی مہکار کو چھپا رکھا تھا۔
"دیکھا بیوی لائے ابھی دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔ جو بھابیاں بری لگنے لگیں۔" ایک رشتے کی بھابی مصنوعی غصے سے بولیں۔
"کوکب! میرے خیال میں بہت ٹائم ہو رہا ہے۔ کہیں منا نہ اٹھ جائے۔ اب چلو۔" دوسری خاتون کھڑی ہوتی ہوئی بولیں۔
"جاؤ معاف کیا۔ کیا یاد رکھو گے۔" مہوش بھابی مسکراتی ہوئی ان کے ساتھ نکل گئیں۔
گلاب و موتیا کے مہکتے پھولوں کی لڑیوں کے درمیان بیڈ پر ڈارک گرین اور آتشی جھلملاتے دمکتے چمکتے شرارہ سوٹ میں وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ دروازہ لاک کرتے شموئیل کا دل اس کا یہ خلاف عادت تابعدار سا روپ دیکھ کر خوشگوار انداز میں دھڑکنے لگا۔ وہ دروازے سے بیڈ تک بچھائی گئی سرخ پتیوں کی بنائی گئی روش پر چلتا ہوا۔ بیڈ پر بیٹھ گیا۔ گلے سے پھولوں کے ہار اتار کر بیڈ ٹیبل پر رکھے۔ فانوس کی روشنی میں کمرہ جگمگا رہا تھا۔ تازہ پھولوں کی خوشبوؤں سے کمرہ مہک رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک شوخ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا جس کا مکھڑا لمبے گھونگٹ میں چھپا ہوا تھا۔ کچھ توقف کے بعد وہ کھنکار کر بولا۔
"السلام علیکم۔" مگر دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ صرف تیز سانسوں کی آوازیں اس کی سانسوں سے ٹکرا کر اس کے نروس ہونے کا پتا دے رہی تھیں۔
"اب ایسی بھی کیا عداوت کہ آپ مجھ پر سلامتی بھیجنے کی خیر خواں نہ ہوں۔" کچھ دیر بعد وہ اس کی طرف جھک کر شوخی سے بولا۔
"و..... وعلیکم..... السلام۔" کانپتے ہوئے حیا آلود لہجے میں جواب آیا اور شموئیل فتح کے احساس سے جھوم اٹھا۔ اس کا دل چاہا۔ وہ مارے خوشی کے پورے گھر میں بھنگڑا ڈالے۔ آج وہ اس بدماغ، بدمزاج، گھمنڈی مغرور لڑکی کو فتح کر چکا تھا۔ ورنہ کمرے میں آتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔ وہ اپنے مخصوص اسٹائل میں مرنے مارنے کو تیار بیٹھی ہوگی مگر یہاں اس کا روپ ہی عام لڑکیوں جیسا تھا۔ گھبرایا شرمایا مؤدب سا۔ مشرقی خون کی شاید تاثیر یہی ہوتی ہے۔
"ارے بھئی اب آپ کی شکل اتنی بھی ڈراؤنی نہیں ہے جو آپ نے اتنے لمبے گھونگٹ میں چھپا رکھی ہے۔" وہ شوخی سے کہتا ہوا آگے بڑھا اور اس کا زرتار آنچل چہرے سے الٹ دیا۔ وہ اس وقت اس کے تصورات سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ فانوس کی روشنی میں اس کا سادہ حسن دمک رہا تھا۔ میک اپ سے پاک چہرے پر بہت نکھار و کشش تھی، کانوں میں گولڈ کے آویزے تھے، فراخ پیشانی پر بندیا چمک رہی تھی، سائیڈ میں جھومر سجا ہوا تھا، گلے میں سونے اور ہیرے کے کئی نیکلس تھے، دونوں ہاتھ بھی اس کے زیورات سے سجے ہوئے تھے۔ صرف اس کے نازک لبوں پر آتشی لپ اسٹک بہار دے رہی تھی۔ دوپٹہ اس کے ہاتھ سے پھسل کر اس کے شانوں پر گر گیا تھا۔ وہ گنگ سا اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ جو نگاہیں جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ شموئیل پر بے خودی چھانے لگی۔
"شموئیل خان خبردار جو تم نے اس کریلے کی تعریف کر کے نیم پر چڑھایا۔ اس سے ایسی باتیں کرو۔ جس سے یہ مرعوب ہو کر ہمیشہ یونہی تابعداری سے گردن جھکائے رکھے۔" قبل اس کے کہ وہ جذبات کے ریلے میں بہہ جاتا۔ اس کے دماغ نے سرگوشی کی۔ وہ فوراً سنبھل گیا۔ کوٹ اتار کر صوفے پر اچھالا، شوز بیڈ کے نیچے کھسکائے اور تکیہ کھینچ کر اس سے کچھ فاصلے پر لیٹ گیا۔
"آج بے چاری نانی جان سکون کی نیند سوئیں

گی۔ کتنی فکر تھی انہیں ان کی بدمزاج‘ بددماغ‘ جھگڑالو نواسی سے کون شادی کرے گا؟ دن رات اسی فکر نے انہیں بیمار کرڈالا تھا اور ان کی حالت کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ قربانی دینے کا فیصلہ کیا۔ آخر میرے فیصلے سے نانی جان تندرست ہونے لگیں۔ میرا تو پروفیشن ہی دکھی انسانیت کی خدمت ہے اور شادی کرکے ثواب بھی مل گیا۔“ وہ بمشکل مسکراہٹ دبائے اس کی طرف دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

وہ جو اس کی سب زیادتیوں کو بھلائے۔ پپا مما کی پہلی و آخری خواہش کے مطابق دل سے اس مقدس رشتے کو قبول کیے۔ مشرقی باحیا باوفا بیوی کی محبت لیے اس کی منتظر تھی۔ اس عہد کے ساتھ کہ وہ اس کی بے لوث خدمت کرکے اپنی گزشتہ ساری بدتمیزیوں کی تلافی کردے گی مگر اس نے آتے ہی زخم لگانے شروع کردیے تھے اور لفظ ”ثواب“ نے اس کی نسوانی انا اور وقار کو کچل کر رکھ دیا تھا۔

”اچھا آپ نے مجھ سے شادی ثواب حاصل کرنے کے لیے کی ہے؟“ وہ جھٹکے سے سر اٹھا کر بولی۔

”آف کورس۔ تم جیسی بددماغ لڑکی سے شادی کرنا عین ثواب ہے۔“ وہ دلچسپی سے اس کی گندمی رنگت سرخ ہوتے دیکھ رہا تھا۔

”میں بددماغ ہوں‘ بدمزاج ہوں‘ لڑاکا ہوں۔ تو تم ؟تم کیا ہو؟“ وہ سب ادب و آداب بھول کر غرا کر بولی۔

”اے تمیز کا دامن مت چھوڑو۔ میں شوہر ہوں تمہارا!؟“ وہ اس کے خطرناک تیور دیکھ کر بولا۔

”شو..... ہر۔ کیا شادی ثواب حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے؟؟“

”نہیں۔ شادی کے معنی تو مسرت و شادمانی کے ہیں مگر یہ مسرت جب ہوتی ہے پارٹنر اگر من پسند ہو۔ ہاں اگر تمہاری جگہ فریحہ ہوتی تو بات بن سکتی تھی مگر یہاں تو نانی کے دلی سکون اور تم پر ترس کھا کر شادی کرنا ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے صرف۔“

اس کے سارے جذبے‘ ارمان بھاپ کی طرح اڑ گئے تھے۔ وہ بیوی نہیں مجبوری تھی‘ وہ قابل محبت نہیں‘ قابل ترس تھی۔ سہاگ کی سیج پر وہ چاہتوں کے پھول چننے کے بجائے اپنے مجازی خدا کے منہ سے شمجھوتوں کے کانٹے چن رہی تھی‘ مہکتے پھولوں کی لڑیاں اسے دہکتے انگاروں کی مانند لگنے لگیں۔ اپنی چاروں طرف اسے آگ سلگتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔ جس کی تپش سے اس کا تن من جلنے لگا۔ پورپور دہک اٹھی۔ اس کی سماعتوں میں ایک نام گونج رہا تھا۔ فریحہ‘ فریحہ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے گھومتے ہوئے سر کو تھام لیا۔

”کیا ہوا؟“ وہ اس کی وحشت زدہ کیفیت دیکھ کر مذاق بھول کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے چہرے کی طرف جھک کر پریشانی سے بولا۔

”چھوڑیں مجھے۔“ اس نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑالیا۔ ہاتھ میں بھری چوڑیاں کھنک اٹھیں۔

”یار میں مذاق کررہا تھا۔ تم سیریس ہوگئیں۔“ وہ خوشامدی لہجے میں بولا۔

”ہاں۔ کبھی آپ مذاق کرتے ہیں‘ کبھی ترس کھاتے ہیں‘ کبھی ثواب کی خاطر دوسروں کو کانٹوں پر گھسیٹتے ہیں‘ میں اندھی ہوں؟ لنگڑی ہوں؟ اپاہج ہوں؟ اس لیے مجھے آپ کے علاوہ کون قبول کرسکتا تھا۔ ”ثواب“ میں آپ کو ایسا بخشوں گی آپ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔“ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور اپنے زیورات اتار اتار کر اس پر پھینک رہی تھی۔

”یار یقین کرو۔ میں مذاق کررہا تھا۔ یہ کیا کررہی ہو۔“ اس کی ساری شوخی شرارت ہوا ہوچکی تھی۔ وہ بوکھلایا ہوا اسے زیور اتارنے سے روکنا چاہ رہا تھا مگر وہ اس وقت جنونی ہورہی تھی۔ منٹوں میں وہ سارا زیور اتار کر بیڈ پر پھینک چکی تھی۔

”ہاتھ مت لگائیں۔“ وہ اس کی گرفت سے اپنے دونوں ہاتھ چھڑانے کی جدوجہد کرتی ہوئی غصے سے بولی۔

”اتنی حسین رات میں روٹھنا نہیں اچھا‘ ہار جیت کی باتیں کل پر اٹھا رکھیں‘ آؤ آج دوستی کرلیں۔“

”میں نہیں رہوں گی یہاں؟ اب صرف فریحہ ہی

آئے گی۔'' وہ بپھرے لہجے میں بولی۔

''فار گاڈ سیک وہ مذاق تھا مذاق کیا مجھے تم جیسی حسین لڑکی دوسری مل سکتی ہے سوائے تمہارے۔ چھوڑو یار ضد' دیکھو کتنی حسین رات گزرے جارہی ہے۔ آؤ اپنی باتیں کرتے ہیں۔'' اس نے مہکار کی کمر کے گرد بازو ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

''سب سمجھتی ہوں میں آپ کی چالاکی۔ شموئیل خان اگر آپ نے مجھے زبردستی حاصل کرنے کی کوشش کی تو میں اپنی جان دے دوں گی۔'' وہ اس کی گرفت سے نکل کر دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔

''مہک۔ وہ جو میں نے کہا سب مذاق تھا۔ میں تمہیں تنگ کررہا تھا۔ میں نے تم سے شادی اپنی مرضی' اپنی پسند اور ضد سے کی ہے میرا یقین کروجاناں۔'' اسے اپنے بھونڈے مذاق کی سنگینی کا احساس اب ہوا تھا۔ وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اسے امپریس کرنے کا خیال اسے آیا تھا۔ شموئیل نے اسے سمجھانے کی' بہلانے کی بہت کوشش کی مگر سب بے سود۔ وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھی۔ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روئے جارہی تھی۔

''میں جارہی ہوں۔ پھوپو کے پاس سوؤں گی۔'' وہ دوپٹہ اور شرارہ سنبھالتی ہوئی اٹھنے لگی۔

''دماغ درست ہے تمہارا؟ سب مہمان گھر میں ہیں۔'' وہ بوکھلا کر بولا۔

''مگر میں آپ کی موجودگی میں کمرے میں نہیں رہوں گی۔'' وہ آنسو صاف کرکے بولی۔

''اوکے۔ اگر تمہیں میرے مذاق کا یقین نہیں آرہا ہے تو تمہاری مرضی۔ تم جب تک اس رشتے کو قبول نہیں کروگی۔ میں اپنے کسی بھی حق کا جبراً استعمال نہیں کروں گا۔ میں چاہتوں کا شیدائی ہوں زبردستی کا قائل نہیں۔ میں دوسرے کمرے میں جارہا ہوں۔ تم بے فکر ہوکر سوجاؤ۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا ہوا اٹھا۔ چند لمحے تک اس کے بھیگے چہرے کو دیکھتا رہا پھر تیزی سے اندرونی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔
وہ اوندھی لیٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''صبح بخیر۔'' وہ ابھی فجر کی نماز پڑھ کر بیڈ پر بیٹھی ہی تھی کہ اندر سے آکر سفید شلوار سوٹ میں نکھرا نکھرا شموئیل اس سے بولا۔ اس کے فریش چہرے پر رات کی کسی بات کا شائبہ تک نہیں تھا۔ البتہ اس کی سرخ آنکھیں لیمن کلر کے کرتے سوٹ میں ملبوس مہکار پر تھیں۔ جو سوجی ہوئی آنکھوں سمیت اس سوٹ میں بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''کیا رات بھر روتی رہی ہو؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میں کیوں روؤں؟ روئیں میرے دشمن۔'' وہ چیخ کر بولی۔ شموئیل بیساختہ ہنس پڑا۔

''تمہیں یہاں اپنے قریب بیٹھے ہوئے میں بارہا تصور میں دیکھ چکا ہوں۔ آج تم میرے پاس ہو' اس احساس سے میں بہت مغرور سا ہوگیا ہوں۔'' وہ اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بھاری آواز میں بولا۔ شدت جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔

''مجھے بے وقوف بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کے کسی فریب میں نہیں آؤں گی۔ آپ کی منزل فریحہ ہے' میں نہیں۔ یہ بات میں کبھی نہیں بھول سکتی۔'' وہ غصے سے بیڈ سے اٹھی اور سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ شموئیل لمبی سانس لے کر رہ گیا۔

دوسرے دن ولیمہ بہت دھوم دھام سے ہوا۔ مہمانوں کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔ آف وائٹ کوٹ سوٹ میں شموئیل بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔ بے پناہ مسرت اس کے ہر انداز سے ظاہر تھی۔ کوئی اس کے فریش چہرے سے اس کے اندر کے گڑبڑ حالات کا اندازہ نہیں کرسکتا تھا۔ خوبصورت اسٹیج پر رکھی کرسیوں پر درمیان میں ڈارک پرپل کلر کے سلمیٰ سچے موتیوں اور دبکے کے کام سے جھلملاتے لہنگے سوٹ میں مہکار میک اپ اور زیورات میں سجی دوسری دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔ آج سب کی نگاہوں کا مرکز وہ دونوں تھے۔ شموئیل اس وقت بھی چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔ مہکار مشکل سے اس کی باتوں کو

برداشت کر رہی تھی۔ جبکہ وہاں بیٹھی خواتین قہقہے لگا رہی تھیں۔

اونہہ جھوٹا، فراڈیا، کیسے ایکٹنگ کر رہا ہے۔ جیسے مجھ پر جان دیتا ہو۔ تم نے ثواب اور فریحہ کا نام لے کر میری انا کو کچل دیا ہے۔ میں بھی تمہیں سکون سے نہیں رہنے دوں گی۔ میری زندگی تم نے خراب کی ہے۔ وہ دل میں برابر بیٹھے لطیفے سناتے ہوئے شموئیل سے مخاطب تھی۔

☆

"اٹھو شاباش، مجھے اسپتال جانا ہے۔ فٹافٹ ناشتا بنا کر لاؤ۔" وہ بے خبر سو رہی تھی کہ اس کے جھنجوڑنے پر آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ بیڈ کے قریب کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہے؟ میں ابھی تو سوئی ہوں نماز پڑھ کر۔ مجھ ناشتا بنانا نہیں آتا۔"

"اٹھو اچھی بیوی شوہر کی خدمت کرتی ہے تو اسے جنت ملتی ہے۔"

"خدمت؟ کبھی میں نے اپنے باپ کی نہیں کی تو آپ کیا چیز ہیں۔" وہ طنز سے بولی۔

"اس معاملے میں تم بدقسمت ہو جو یہ سعادت حاصل نہ کر سکیں مگر اپنے ہونے والے بچوں کے باپ کی خدمت تو تمہیں کرنی پڑے گی۔" وہ اس کی طرف جھک کر شرارت سے بولا۔

"مجھے کام کی عادت نہیں ہے۔" اس کی بیباکی پر اس کا چہرہ گلنار ہو گیا تھا۔ وہ گردن جھکا کر بولی۔

"وہ تمہارے باپ کا گھر تھا۔ یہ تمہارے شوہر کا گھر ہے۔ اچھی بیوی وہی ہوتی ہے جو شوہر کے احساسات وجذبات کا خیال رکھے۔ ہماری شادی کو پندرہ دن ہو چکے ہیں۔ ابھی تک بھابی پہلے کی طرح میرا سارا کام کر رہی ہیں۔ اب تمہیں یہ ڈیوٹی سنبھالنی چاہیے۔"

"کیوں، میں یہاں آپ کی آیا بن کر آئی ہوں؟" وہ بگڑے لہجے میں بولی۔

"میرے پاس ابھی ٹائم نہیں ہے۔ واپسی پر لڑ لینا مجھ سے، پلیز ابھی ناشتا بنا کر لا دو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ مہکار سمجھ گئی تھی۔ وہ ایک نمبر ڈھیٹ انسان ہے۔ جب تک وہ ناشتا بنا کر نہیں لائے گی۔ وہ یونہی بکواس کرتا رہے گا۔ وہ پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

شموئیل سیٹی بجاتا ہوا باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے بہت کوشش کی مہکار کو یقین دلانے کی مگر وہ کسی صورت ماننے کو تیار نہیں تھی۔ شموئیل اندرونی بیڈروم مستقل استعمال کر رہا تھا۔ مہکار نے بھی اس کمرے میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنی دنیا میں مگن تھی۔ شادی کے بعد بھی اس کی روٹین نہیں بدلی تھی۔ شادی کو پندرہ دن ہو چکے تھے مگر وہ ابھی تک گھر کے کسی بھی فرد سے گھلی ملی نہیں تھی۔ سارا دن کمرہ بند کیے اندر رہتی۔ آنسہ بیگم اور مہوش نے دو تین دفعہ اسے تقریبات میں لے جانے کی کوشش کی مگر اس کے بگڑے تیور دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ گئیں۔ آنسہ تو ویسے بھی اس کے مزاج سے واقف تھیں۔ انہوں نے بڑی بہو کو بھی سمجھا دیا کہ مہکار کی مرضی کے بغیر کچھ نہ کیا جائے۔ اس طرح اسے زیادہ ڈھیل مل گئی اپنی من مانی کرنے کی۔

شموئیل تیار ہو کر بیٹھا ناشتے کا انتظار کر رہا تھا۔ پچھلے ایک گھنٹے سے وہ ناشتا بنانے گئی ہوئی تھی۔

"معمولی سے ناشتے میں اتنی دیر؟ تو کھانے میں کتنا ٹائم لگاؤ گی؟" وہ ناشتا لے کر آئی تو وہ اخبار ٹیبل پر رکھ کر بولا۔

"اتنی جلدی تو بنا کر لائی ہوں۔" وہ ٹرے اس کے آگے رکھتی ہوئی بولی۔

"ماشاءاللہ ناشتا بھی اپنے مزاج کی طرح بنا کر لائی ہو۔" وہ جلے ہوئے سلائس کو دیکھتا ہوا بولا۔ "اور یہ ہاف فرائی انڈے، لگتا ہے ان کو تو ہتھوڑے سے توڑ کر کھانا پڑے گا۔" وہ ایک ایک چیز کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر رائے دے رہا تھا۔ "آؤ ناشتا کرو۔ تم وہاں کیوں بیٹھ گئیں؟"

"میں صبح کو کچھ نہیں کھاتی۔ گیارہ بجے ناشتا کرتی

ہوں۔" اس کی اتنی محنت سے بنائے گئے ناشتے پر اس کے بھرپور تجزیئے نے اس کا دماغ کھولا ڈالا تھا۔

"ایک نوالہ کھالو۔ ناشتا تم اپنے اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق ہی کرنا۔" وہ سلائس میں انڈہ رکھ کر لایا اور اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود زبردستی اس کے منہ میں بھر دیا۔ اسے مجبوراً کھانا پڑا اور اسے اپنے پھوہڑپن کا خود ہی احساس ہوا۔ جب سخت انڈے اور جلے ہوئے سلائس کا ذائقہ اس کے منہ کو کڑوا کر گیا۔ اس نے حیرت سے سامنے ناشتا کرتے شموئیل کو دیکھا۔ جو مزے سے ناشتا کررہا تھا اگر اس کے بجائے اس کے خود کے پاس ایسا ناشتا آتا تو وہ لانے والے کے منہ پر دے مارتی۔ "کیا شے ہے یہ آدمی؟" اس نے شموئیل کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے سوچا۔

"ارے دیکھنا ہے تو پیار سے دیکھو۔ حیرت سے کیوں دیکھ رہی ہو؟" وہ چائے پیتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"توبہ اس آدمی کی آنکھیں کتنی تیز ہے۔" وہ جھینپ مٹانے کے لیے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

وہ بالوں میں برش کررہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ "یس کم ان۔" وہ ایک لمحے کو ہاتھ روک کر بولی۔

"کیا ہورہا ہے بھئی؟" مہوش ہاتھ میں پکڑی ٹرے کے اندر دو کپ چائے کے مگ رکھے اندر آکر بولیں۔

"بال بنا رہی تھی۔ آپ بیٹھیں۔" وہ بالوں میں بینڈ لگاتی ہوئی بولی۔

"آنٹی کو رات سے بخار ہے۔ وہ دوائی کھا کر سو رہی ہیں، ضرغام صبح کی فلائٹ سے شنگاگو گئے ہیں بزنس ٹرپ پر، فرحان آپا کے پاس ہے۔ میں بور ہو رہی تھی سوچا تم سے کچھ گپ شپ کی جائے اگر تم برا نہ مانو تو میں کچھ دیر بیٹھ جاؤں یہاں؟" وہ اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑاتی ہوئی بولی۔

"آپ نے مجھے شرمندہ کردیا۔ میں اتنی بھی بد اخلاق نہیں ہوں۔ جو آپ کا اپنے کمرے میں آنا پسند نہیں کروں گی۔" وہ ان کے ہاتھ سے مگ لیتی ہوئی مسکرا کر بولی۔

"میرا یہ مقصد نہیں۔ دراصل تم اتنا عرصہ باہر رہی ہو۔ ظاہر بات ہے تمہیں تنہا رہنے کی عادت ہوگی۔ حالانکہ ضرغام کتنی مرتبہ آؤٹنگ کے پروگرام بنا چکے ہیں مگر آنٹی نے اور میں نے منع کردیا کہ تم ابھی آنٹی، انکل کی اچانک موت کے صدمے سے نہیں سنبھلی ہو۔ اس لیے زیادہ کہیں آنا جانا پسند نہیں کرتیں۔ ضرغام کو بھی احساس ہے اس بات کا اس لیے انہوں نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔" مہوش چائے پیتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"کب آئیں گے ضرغام بھائی؟" وہ شرمندگی سے بولی۔ وہ شموئیل کو تنگ کرنے کے چکر میں کتنے پیارے لوگوں کو نظرانداز کر بیٹھی تھی۔ ضرغام بھائی سے اس کی ملاقات دو تین مرتبہ ڈنر ٹیبل پر ہوئی تھی۔ وہ بہت سنجیدہ اور محبت کرنے والے تھے۔ اس سے باتیں کرتے وقت ان کا انداز بھائی کی طرح ہوتا تھا۔

"شاید ایک ماہ لگ جائے۔ ضرغام جاتے ہیں تو مجھے لگتا ہے دنیا ہی بے کشش ہوگئی ہے۔ بیڈ روم مجھے کھانے کو دوڑتا ہے۔ جب بھی ضرغام بزنس ٹرپ پر جاتے ہیں۔ میں آنٹی کے کمرے میں پناہ لیتی ہوں۔ ضرغام ہیں بھی بہت محبت کرنے والے۔" وہ مگ ٹیبل پر رکھتی ہوئی بولی۔

"اتنا چاہتی ہیں آپ ضرغام بھائی کو؟" وہ حیرانگی سے بولی۔

"ہوں۔ تم شموئیل کو نہیں چاہتی ہو؟" وہ شرارت سے ہنستے ہوئے بولیں۔

"چاہت چاہے جانے سے جنم لیتی ہے۔ یہاں تو ثواب کمانے کا سودا ہوا ہے۔" وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔

"ارے شرما گئیں۔ اچھا بھئی نہیں بتاؤ۔" وہ اس کے سر جھکانے کو شرم سمجھنے لگیں۔

"اربہ کا فون آئے بہت عرصہ ہوگیا۔" وہ موضوع بدلنے کے لیے بولی۔

"ہاں۔ شاید آج کل میں آجائے۔ آؤ باہر لونگ روم میں بیٹھتے ہیں۔" مہوش اٹھی تو وہ بھی اٹھ گئی۔ ملازمہ بھی کمرے میں صفائی کرنے آگئی تھی۔ بڑے

Digest Novels Lovers

کمرے میں وہ دونوں باتوں میں مصروف ہوگئی تھیں مہوش بہت باتونی تھی۔ مہکار کو زیادہ بولنے کا موقع نہیں ملا اور یہ اس کے لیے بہتر تھا ورنہ اس کے پاس کوئی خوشگوار باتیں نہیں تھیں جو وہ انہیں سناتی۔

"اب میں سوچ رہی ہوں۔ کچھ دن امی کے ہاں گزار آؤں پھر ضرغام کہاں جانے دیں گے۔ آنٹی سے پوچھوں گی پہلے۔"

"پھوپو منع تو نہیں کریں گی آپ کو؟" مہکار بولی۔

"نہیں پھر بھی اجازت ان کی ضروری ہے۔"

"بھابی! آپ اکیلی باتیں کررہی ہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" فرحان کو گود میں اٹھائے ہوئے شموئیل وہاں آکر مہوش سے مخاطب ہوا۔ اس کے چہرے پر شرارت تھی۔

"تمہیں میرے برابر میں بیٹھی مہک نظر نہیں آرہی؟" وہ اس کی شرارت نہیں سمجھ سکیں۔

"اوہ۔۔۔ او۔۔۔ اچھا یہ بھی یہاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ سوری یار معاف کرنا۔ دراصل یہ غلطی تمہاری ہے۔ بلیک میں بلیک مل کر اور زیادہ بلیک ہوجاتا ہے۔ تم مجھے یہاں بیٹھی ہوئی نظر ہی نہ آئیں۔ یہ کلر نہیں پہنا کرو۔" وہ اسے پوری آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے بعد بولا۔

"ہر وقت کا مذاق اچھا نہیں ہوتا' کتنی پیاری تو ہے مہک بالکل چنبیلی جیسا کلر ہے مہکتا ہوا۔ یہ سوٹ کتنا خوبصورت لگ رہا ہے اس پر۔" وہ اس کے بلیک کڑھائی والے سوٹ کی طرف اشارہ کرکے بولیں۔

"کسی کا دل رکھنے کے لیے جھوٹ بولنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "رنگ تو دیکھنے والا فریحہ کا ہے۔" وہ سرخ چہرہ لیے غصہ ضبط کرتی مہکار کو چڑاتے ہوئے بولا۔

"اچھا۔ تمہیں پہلے تو اس کا رنگ فارمی انڈے جیسا لگتا تھا۔ بے کشش و بے نور؟"

"یہ تو دستور دنیا ہے جب چیز پاس نہیں ہوتی پھر اس کی قدر آتی ہے۔" وہ مصنوعی آہ بھر کر بولا۔

"یہ تمہارا مذاق تمہیں کسی دن کہیں کا نہیں چھوڑے گا سمجھے۔ میں چائے بنا کر لارہی ہوں۔" مہوش اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ مہکار ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے غصے سے دیکھنے لگی۔

"شوہر کو غصے سے نہیں دیکھتے گناہ ملتا ہے۔ پلیز اپنی آنکھیں نیچی کرو۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ کہیں ان میں ڈوب نہ جاؤں۔" اس نے خوفزدہ ہونے کی کامیاب اداکاری کی۔ وہ کچھ دیر تک تو اسے اسی طرح گھورتی رہی پھر پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

"او میری سانولی سلونی محبوبہ' جھیل جیسی آنکھوں۔۔۔۔" اس کی گنگناہٹ نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔

وہ چائے پی کر کمرے میں آیا تو وہ کمرے میں اندھیرا کیے بیڈ پر اوندھی لیٹی رو رہی تھی۔ اسے کمرے میں آتے دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم رو رہی ہو؟" وہ فانوس آن کرتا ہوا بولا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"روؤ نہیں۔ آج ایک کریم آئی ہے رنگ گورا کرنے والی۔ میں خاص طور پر تمہارے لیے لایا ہوں۔ چند روز کے استعمال سے دیکھنا۔۔۔۔"

"چہرہ گورا ہوجانے سے نصیب کی سیاہی نہیں مٹتی۔" وہ اس کی شوخی کی پروا کیے بغیر سنجیدگی سے بولی۔

"تمہارا نصیب تو میں ہوں۔ اس لحاظ سے تمہارا نصیب سرخ و سپید ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"میں کالی ہوں' بدصورت ہوں تو کیوں زندگی خراب کی اپنی بھی اور میری بھی؟"

"بتایا ہے کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں۔" وہ اعلیٰ قسم کی ڈھیٹ مٹی کا بنا ہوا تھا۔ یا اس کی سنگدلی کے بدلے لے رہا تھا۔

"مجبوری نہیں لالچ بولیے۔ میں بدصورت ہوں' بے کشش ہوں مگر میرے ساتھ آنے والی دولت بہت کشش اور طاقت رکھتی ہے۔ فریحہ کی محبت سینے سے لگائے صرف اور صرف دولت حاصل کرنے کے لیے آپ نے مجھ سے شادی کی ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھے شموئیل سے ترش لہجے میں بولی۔

"اچھا' تمہارا خیال ہے کہ میرے پاس دولت نہیں ہے؟ یہ گھٹیا سوچ ہے تمہاری' میرے ڈیڈی مرحوم ملک کے چند بڑے سرمایہ داروں میں شمار ہوتے تھے۔ اب بھائی جان ہیں' مجھے بچپن سے ڈاکٹر بننے کا شوق تھا۔ اس لیے میں آج کامیاب سرجن ہوں۔ پیسہ میرے پاس بھی کم نہیں ہے۔"

"چوری پکڑے جانے پر یونہی صفائیاں پیش کی جاتی ہیں۔ آپ کا اصل چہرہ میں دیکھ چکی ہوں۔ اب ایک لمحے کے لیے بھی میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"تم میرے ساتھ رہ کب رہی ہو۔ ہم الگ الگ کمروں میں رہ رہے ہیں۔ میں گھر والوں کو دھوکہ دینے کے لیے اس کمرے میں آکر اندر بیڈ روم میں جاتا ہوں کہ انہیں معلوم نہ ہو مجھے کس قدر ہٹ دھرم بیوی ملی ہے۔ بہرحال میں کچھ دیر آرام کرنے جارہا ہوں۔ آج میری نائٹ ڈیوٹی ہے۔ کلینک سے میں اسپتال چلا جاؤں گا اور سنو زیادہ بولنے والا اکثر پچھتاتا ہے۔" وہ اٹھ کر اندر کمرے میں چلا گیا۔

☆

"امی! آپ کچن میں؟ طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ کی۔" وہ نائٹ ڈیوٹی سے آیا تو آنسہ بیگم کو کچن میں کام کرتے دیکھ کر بولا۔

"مہوش رات کو میکے چلی گئی تھی' آج بوا بھی نہیں آئیں' مہک اٹھنے والی ہے اس لیے میں ناشتا بنانے لگی۔ وہ صبح کی بھوکی ہوتی ہے۔" وہ انڈے فرائی کرتی بولیں۔

"امی مت بگاڑیں اس کو اتنا۔ پہلے ہی اس کے مزاج درست نہیں رہتے۔ اس کا فرض ہے آپ کی خدمت کرنے کا یا......"

"میں اسے بہو نہیں بیٹی سمجھتی ہوں۔ اس نے کہاں کام کیا ہے گھر میں۔ بھائی بھابی پھولوں کی طرح سنبھال کر رکھتے تھے۔ وہ مجھے بیٹی سے زیادہ عزیز ہے۔ تم کپڑے بدلو' میں تمہارے لیے بھی ناشتا بناتی ہوں۔"

"میں کر کے آیا ہوں۔" وہ ہونٹ بھینچتا ہوا وہاں سے نکل کر بیڈ روم میں آگیا۔ مہکار اٹھ چکی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بال سنوار رہی تھی۔ اس نے ایک نظر تھکے ہوئے سرخ آنکھیں' بکھرے بالوں والے شموئیل کو ایک نظر دیکھا پھر دوبارہ بالوں میں برش چلانے لگی۔ وہ نائٹ ڈیوٹی سے ایسے ہی تھکا ہوا آتا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے' امی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ناشتا خود نہیں بنا سکتی تھیں؟" وہ پہلی مرتبہ اس سے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"اگر پھوپو نے ناشتا بنا دیا تو کیا کمال کردیا؟ میری ممی بھی میرے لیے ناشتا بنایا کرتی تھیں۔" وہ بے پروا انداز میں بولی۔

"میں تمہیں اپنی ماں کی خدمت کرنے کے لیے لایا ہوں۔ ماں سے تمہاری خدمت کروانے کے لیے نہیں۔"

"اتنا چیخ کیوں رہے ہیں؟ ماں وہ آپ کی ہیں۔ شوق سے خدمت کیجیے۔ میں نے کب روکا ہے؟"

"میری ماں تمہارے لیے بھی ماں کا درجہ رکھتی ہیں۔ جاؤ جا کر ان سے معافی مانگو اور آئندہ میں کبھی انہیں اس طرح کام کرتے نہ دیکھوں؟" اس وقت وہ بہت غصے میں تھا۔ کھلنڈرا' شوخ شموئیل کہیں غائب ہوگیا تھا۔

"آپ مجھے کیوں دھونس دکھا رہے ہیں؟ میں کیوں معافی مانگوں۔" وہ بالوں میں کلپ لگاتے ہوئے بولی۔

"مہکار! تم نے ابھی میرا صرف پیار کا انداز دیکھا ہے۔ مجھے ضد دلانے کی کوشش مت کرو۔ چلی جاؤ۔"

"کتنی معصوم و ہمدرد نظر آنے والی پھوپو کتنی مکار اور چالاک ہیں۔ ذرا سا ناشتا کیا بنا رہی ہیں بیٹے کو بھڑکا کر بھیج دیا۔"

"مہکار! تم میرے سامنے میری فرشتوں جیسی ماں کی توہین کر رہی ہو؟" وہ غصے سے بپھرا ہوا خود پر قابو نہ پاسکا۔ اس کا ہاتھ اٹھا تو اٹھتا چلا گیا۔ مہکار کے رخساروں پر اس کی مضبوط انگلیوں کے نشان چھپ

گئے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔

"میں سمجھا تھا تم نازونعم میں پلی ایک ناسمجھ اور ضدی لڑکی ہو مگر یہ میری بھول تھی۔ تم نہایت خودسر' خودپسند اور حددرجہ بدتمیز لڑکی ہو۔ جسے رشتوں کے تقدس کا نہ احترام ہے اور نہ لحاظ۔ میں نے تم میں اپنا آئیڈیل تلاش کیا تھا' میں نے تم سے شادی کرنے کی خاطر ماموؤں سے دشمنی لی' انہوں نے کوئی لحاظ ومروت کے بغیر مجھے لالچ دیے بے پناہ دولت کے' جائداد کے' چھوٹے ماموں فرحین کے لیے بضد تھے' بڑے ماموں فریحہ کے لیے مگر میرے صاف انکار پر مجھے دھمکیاں دیں مگر میں ذرا بھی مرعوب نہیں ہوا۔ میں نے یہ باتیں کسی کو بھی نہیں بتائیں۔ حتیٰ کہ فرہاد پر بھی کبھی ظاہر نہیں کیا اور امی اور نانی سے ضد کرکے تم سے شادی کی اور تمہاری ساری زیادتیوں کو اس لیے برداشت کرتا رہا کہ تم سے مجھے محبت تھی مگر آج' مگر آج تم نے میرے سارے خوبصورت خواب چکنا چور کردیے' توڑ دیا تم نے مجھے توڑ دیا۔" اس کا بھیگا بھیگا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ شکستہ قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ مہکار کو یقین نہیں آرہا تھا یہ وہی شوخ وشریر شموئیل ہے جس نے سنجیدہ ہونا تو کبھی سیکھا ہی نہیں تھا آج اس کا سچے لفظوں میں اقرار محبت سے وہ مبہوت ہوکر رہ گئی تھی۔ اس کے ٹوٹے ہوئے لہجے کی کرچیاں اسے اپنے دل میں چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ شادی کے بعد کے سارے منظر اس کی نگاہوں میں گھومنے لگے۔ واقعی اس نے اس کی ہر زیادتی' ہر بدتمیزی' خندہ پیشانی سے برداشت کی تھی۔ اسپتال اور کلینک جانے کی تیاری وہ خود کرتا' صبح کا ناشتا اسے ملازمہ کے ہاتھ کا پسند نہیں تھا۔ اس لیے پہلے بھابی بنا کردیتی تھیں۔ شادی کے بعد اسے اس نے منع کردیا۔ مہکار نے اسے مشکلوں سے ایک دفعہ جلا ہوا ناشتا تیار کرکے دیا جسے اس نے بخوشی کھایا۔ اس کے بعد نہ اس نے کہا اور نہ اس نے خود بنا کردیا۔ بلکہ وہ ناشتا خود کرکے چلا جاتا تھا۔ وہ بے خبر پڑی سوتی رہتی تھی۔ لنچ اور ڈنر وہ گھر والوں کے ساتھ کرتا تھا۔ اس کی مرضی ہوتی تو وہ جاتی ورنہ زیادہ تر ملازمہ اسے کمرے میں دے جاتی تھی۔ گھر والے بھی اس کی باتیں اس لیے برداشت کررہے تھے کہ وہ اسے عزیز تھی۔ ورنہ یہ تو عام بات ہے اگر شوہر قدر کرنے والا ہوگا تو سسرال والے خود قدر کرتے ہیں۔ آہ میں کتنی بدنصیب ہوں جو اتنے بہترین انسان کی قدر ہی نہ کرسکی۔ نہیں' میں آپ کو آپ کا آئیڈیل بن کر دکھاؤں گی۔ میں آپ کے فخر کو قائم رکھوں گی۔ میں آپ کو پانے کے لیے خود کو مٹادوں گی' ماردوں گی اپنی انا کو۔

* .... * .... *

"رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہوچکا تھا۔ آج انیسواں روزہ تھا۔ وہ جلدی جلدی ملازمہ کے ساتھ مل کر دسترخوان پر افطاری کا سامان رکھ رہی تھی۔ دو دن پہلے شموئیل نانی جان کو لے آیا تھا اور ان کے حکم پر قالین پر دسترخوان بچھا کر روزہ وسحری کھائی جاتی تھی۔ انہوں نے سرخ دسترخوان کو استعمال کرنے کی اس قدر فضیلت بیان کی تھی کہ ملازم دو چار بازاروں میں گھوما جب کہیں اس کو سرخ دسترخوان ملا تھا۔ ضرغام کچھ عرصے کے لیے شگاگو میں ہی رک گئے تھے اور انہوں نے مہوش اور فرحان کو بھی رمضان سے پہلے بلوالیا تھا۔ ان دونوں کے جانے سے گھر میں سناٹا چھا گیا تھا۔ شموئیل کی ساری شوخی وشرارتیں گم ہوچکی تھی۔ اس دن کے بعد سے اس نے مہکار کو مخاطب کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ بازی الٹ گئی تھی۔ پہلے وہ اس کی بگڑی تیوریوں کے باوجود اس کی دلجوئی میں لگا رہتا تھا' اس کی ہر بدمزاجی وتنگ مزاجی کی پروا کیے بغیر' اور اب وہ بالکل کٹھور اور سنگدل بن گیا تھا۔ مہکار نے اپنے آپ کو اس کے لیے بدل ڈالا تھا۔ اس کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھی۔ ناشتا' لنچ' ڈنر خانساماں کے ساتھ مل کر خود تیار کرتی' اس کے ڈریس پریس کرتی' شوز پالش کرتی' اس کے اٹھنے سے پہلے اس کا تمام سامان باتھ روم میں رکھ دیتی' اس کے تیار ہونے تک ناشتا ٹیبل پر سجادیتی۔ پھوپو کی بھی بے حد خدمت

کررہی تھی۔ تین ماہ کے عرصے میں اس میں مکمل چینج آگیا تھا۔ اکھڑ، بدتمیز مہکار، بہت سلیقہ شعار، سگھڑ اور باتمیز ہوگئی تھی مگر وہ اس کی جانب سے ایسا پتھر ہوا تھا کہ ایک نگاہ ڈالنے کا روادار نہ تھا۔ وہ جتنا اس کی طرف بڑھتی وہ اتنا ہی دور ہوتا جارہا تھا۔

پچھلے مہینے سے وہ ذاتی اسپتال بنانے کے سلسلے میں اس قدر بزی تھا کہ گھر بھی بہت لیٹ آتا تھا۔

روزہ کھلنے میں پندرہ منٹ باقی تھے۔ مہکار دسترخوان پر سب سامان سجاچکی تھی اور وضو کرنے چلی گئی تھی۔

"ماشاءاللہ مجھے یقین نہیں آرہا یہ مہکار اتنی سمجھدار، خدمتگار ہوگئی ہے؟ مجھے ڈر تھا۔ یہ کس طرح نبھا کرے گی مگر اللہ کا شکر ہے۔ اس نے خود کو سنبھال لیا ہے۔"

"ہاں امی۔ تین مہینوں سے تو مہکار بالکل بدل گئی ہے۔ لگتا ہی نہیں یہ بہو ہے۔ بالکل بیٹی کی طرح میری دیکھ بھال کرتی ہے اور گھر بھی سنبھال رکھا ہے۔" آنسہ اس کی تعریف کرتی ہوئی بولیں۔ وہ اس سے بہت خوش رہنے لگی تھیں۔ کام وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد مہکار انہی سے باتیں کرتی رہتی تھی۔ مہکار وضو کرکے آکر یٰسین شریف پڑھنے لگی۔ شموئیل سلام کرتا ہوا کمرے میں آیا۔

"وعلیکم السلام، وقت کے وقت گھر میں گھستے ہو۔ ایک آدھ گھنٹے پہلے آجایا کرو۔ روزے پورے رکھ رہے ہو آرام بالکل بھی نہیں کررہے۔" نانی جان اسے دیکھتے ہی شروع ہوگئیں۔

"نانی جان دعا کیجیے۔ اسپتال جلد مکمل ہوجائے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ مہکار نے لمحے بھر کو۔ "مجموعہ وظائف" سے نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ سفید کلف دار کرتے سوٹ میں سفید کروشیے کی بنی ٹوپی پہنے اس کے وجیہہ چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔ ساری تازگی و بشاشت کھوگئی تھی۔ اس کا شدت سے دل چاہا۔ اپنی پلکوں سے اس کی ساری تھکن چن لے، اس کی سحرانگیز آنکھوں میں کھو کر اپنی ساری سنجیدگی بھول جائے، اس کی گداز بانہوں میں چھپ کر ساری رنجشیں، سردمہری بھلا کر پھر سے وہی شوخ و شریر شموئیل بن جائے کاش۔"

"رمضان کا بابرکت مہینہ بہت سرعت سے گزر رہا تھا۔ سحری اور افطار کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ عید کی تیاریاں بھی شروع ہوگئی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ بہت جوش و خروش سے گھر سنوارنے میں لگی ہوئی تھی۔ ملازمین کے ساتھ مل کر اس نے پورے گھر کی ترتیب بدل ڈالی۔ لونگ روم اور ڈرائنگ روم میں نیا فرنیچر اور قالین ڈالے، سب جگہوں کے پردے تبدیل کیے گئے، تین اطراف پھیلے ہوئے بڑے بڑے سارے لان میں بھی باہر سے پھولوں والے نہایت قیمتی ودلربا پودے منگوا کر رکھے تھے۔ باہر سے اندر تک پورا ولاز جگمگا رہا تھا۔

نانی جان اور آنسہ بیگم اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتی تھیں مگر جس کی خاطر یہ چینج آیا تھا، جس کی ایک توصیفی نگاہ کرم کی خاطر، جس کے ایک تعریفی جملے کے لیے اس کے کان اور آنکھیں منتظر تھے، جس کی شدید محبت کی کشش نے اس کا تن من بدل ڈالا تھا، جس کے پلٹ کے آنے کے انتظار میں وہ رات دن شمع کی طرح سلگنے لگی تھی۔ جو اس کے سینے میں دل بن کر دھڑکنے لگا تھا مگر وہ اس سے گریزاں تھا۔ اس کے جذبوں کو جاننے کے باوجود اس کی چاہتوں کو محسوس کرکے بھی پتھر بنا ہوا تھا۔ اس کی ضد اس کی راہ کی رکاوٹ تھی تو وہ انا کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھی۔ دونوں پہل کرنے کے لیے، جھکنے کے لیے راضی نہیں تھے۔

"بیٹا اس کو کہتے ہیں۔ چراغ تلے اندھیرا۔" وہ نماز وتراویح سے فارغ ہونے کے بعد چائے بنانے کے ارادے سے اپنے کمرے سے نکل کر کچن کی طرف جارہی تھی راہداری سے گزرتے ہوئے اندر کمرے سے نانی کی آواز سن کر ٹھٹک کر رک گئی۔ کھڑکی پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ وہاں کھڑی ہوگئی۔

"اتنے بڑے ڈاکٹر ہوتے ہوئے تمہیں اس بات کی فکر و پریشانی نہیں ہے کہ مہکار کی گود ابھی تک خالی

ہے؟ شادی کو سال ہونے والا ہے۔ کوئی علاج وغیرہ کرواؤ۔ اریبہ کی گود میں ماشاءاللہ مہینے بھر کی بیٹی کھیل رہی ہے۔ کتنی خوبصورت تصویریں ہیں اس کی۔" نانی جان کی تشویش اسے اندر تک زخمی کر گئی۔ شرمندگی و کوفت سے وہ کانپ گئی۔

"ارے نانی جان ابھی ہم خود بچے ہیں۔ بھلا ابھی ہماری عمر ہی کیا ہے؟ ویسے بھی میں اتنا بزی ہوں ان دنوں۔ بچے قطعی نہیں سنبھال سکتا۔"

اندر سے بہت عرصے بعد اس کی شوخی بھری آواز سنائی دی۔ اس کی آنکھوں میں مارے ندامت کے پانی جمع ہونے لگا۔ کتنا عظیم واعلیٰ ظرف تھا۔ جواب بھی اسے رسوائی سے بچالیا تھا۔

"ہاں بچوں کو تو جیسے تم ہی سنبھالو گے؟"

"ظاہر سی بات ہے نانی جان‘ امی تو بہت کمزور ہوگئی ہیں اور آپ کی پوتی صاحبہ اپنے ناز نخرے سنبھال لیں تو بہت ہے۔ بچے کہاں سنبھلیں گے ان سے اور ویسے بھی آج کل ماڈرن دور ہے۔ بچے تو باپ ہی سنبھالتے ہیں۔ ماؤں کو تو فیشن سے فرصت نہیں ہوتی۔"

"تم سے تو بات کر کے محسوس ہوتا ہے۔ پتھر سے سر پھوڑا ہے۔" نانی کی جھنجلائی ہوئی آواز آئی۔

"بیٹا مہکار کو ساتھ لے جاؤ۔ ہوسکتا ہے آج چاند رات ہوجائے۔ عید کی شاپنگ کروا کر لے آؤ۔ بچی نے گھر سنوار دیا مگر اپنے لیے چوڑیاں تک نہیں لائی ہے۔ جائے کس کے ساتھ وہ؟ سہیلی کوئی اس کی ہے نہیں‘ بھائیوں کے بچوں نے یہاں آنا ایسے چھوڑ دیا ہے جیسے ہم سے کسی کا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔ امی کو آئے ہوئے بھی پورا مہینہ ہوگیا مگر مجال ہے کوئی بیٹا‘ بھو یا پوتا‘ پوتی آکر جھانکیں ہوں یہاں۔" آنسہ بیگم کی آواز آئی۔

"نانی جان اب یہاں سے کہیں نہیں جائیں گی۔ کوئی آیا بھی تو میں نانی کو نہیں جانے دوں گا۔"

"کیسا فیض دیتی ہے آج کل کی اولاد۔ اس اولاد کے پیچھے ماں باپ زندگی خراب کردیتے ہیں‘ ان کی بھلائی میں اپنا چین و سکون گنوا کر انہیں اس قابل کرتے ہیں اور جب اولاد کا وقت آتا ہے۔ ماں باپ کی پرورش کا بدلہ اتارنے کا تو وہ انہیں بوجھ لگنے لگتے ہیں۔" ان کی آواز بھیگنے لگی تھی۔

"سب مرد ایسے نہیں ہوتے نانی جان‘ بے غیرت و کم ظرف ہوتے ہیں وہ مرد جو بیوی کے منہ سے ماں کی برائی سننے کے بجائے ان کا منہ نہیں توڑتے۔" اندر سے شموئیل کی بھاری آواز سنائی دی اور مہکار کے دونوں ہاتھ بے اختیار اپنے رخساروں پر جم گئے۔ پھوپو کو اس دن ناشتا بناتے دیکھ کر اور اس کے منہ سے ان کے لیے گستاخی کے جملے سن کر اس نے لمحے بھر میں اپنی محبت وجاہت بھلا کر اس کے رخساروں پر اپنی انگلیوں کے ایسے نشان چھوڑے تھے کہ گزشتہ دو دن تک اس نے رخساروں پر ثبت نشانوں کو ملازمین اور پھوپو سے چھپانے کے لیے کیا کیا جتن کیے تھے۔ ماں سے گستاخی کی سزا میں بھی اس سے بولنا ترک کرچکا تھا۔ سچ ہے یہ بھی کسی بزرگ کا فرمانا۔ جو مرد ماں کی عزت کرتا ہے۔ وہ بیوی سے بھی محبت کرتا ہے۔ اس کی شرافت‘ اس کی جاہت کا یہ ثبوت بہت تھا کہ دس ماہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود وہ بھٹکا نہیں تھا۔ نہ ہی اس نے مہکار کو زبردستی قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ خاموشی سے کچن میں آکر وہاں موجود ڈائننگ ٹیبل کے گرد رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

نانی جان کی تشویش اسے بڑی پریشانی میں مبتلا کر گئی تھی۔ اس کا جسم انجانے خوف سے آہستہ آہستہ کانپ رہا تھا اگر انہوں نے زبردستی کسی لیڈی ڈاکٹر یا مڈوائف سے چیک اپ کروالیا تو کیا ہوگا؟ کیسے بتائے گی انہیں کہ شموئیل صرف نکاح کے کاغذات تک اس کا شوہر ہے۔ ازدواجی لحاظ سے اس نے آج تک اسے قبول نہیں کیا اگر انہیں یہ سب معلوم ہوگیا تو یقیناً میں ہی قصوروار ٹھہرائی جاؤں گی اور وہ صاف بچ جائیں گے کیا جاتا شموئیل کا اگر وہ مجھے یہ نہ بتاتے کہ انہوں نے یہ سب ثواب کے لیے کیا ہے‘ تو میں اپنا سب کچھ ان پر نثار کرنے کو تیار تھی۔ اب جب کہ مجھے

ان کے مذاق کا یقین آچکا ہے تو وہ ضد میں اکڑے ہوئے ہیں کہ میں خود انہیں مخاطب کروں مگر میں.... میں اپنی انا کو مار بھی دیتی ہوں تو میرے اندر کی وہ دم توڑتی مغرور اور گھمنڈی لڑکی میرے راستے کی دیوار بن جاتی ہے۔ میرے معبود مجھے صراط مستقیم دکھا۔ جو میں اپنی گم گشتہ جنت تک پہنچ جاؤں۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے اللہ سے فریاد کی۔

"بی بی جی خیریت تو ہے نا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا جی آپ کی؟" ملازمہ کی پریشان آواز پر اس نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ پریشانی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں کریمن۔ ایسے ہی سستی آرہی ہے۔" وہ بات بناتی ہوئی مسکرا کر بولی۔

"میں کڑک چائے بنا دیتی ہوں۔ بلکہ آپ کمرے میں آرام کریں۔ میں بڑی بیگم وغیرہ کو بھی چائے دوں گی اور آپ کو بھی دے دوں گی۔" ملازمہ کی ہمدردی پر وہ مسکراتی ہوئی کچن سے نکل آئی۔ اس کا ارادہ کمرے میں جانے کا تھا۔ کیونکہ تینوں اس قسم کی باتوں میں الجھے ہوئے تھے۔ اسے اندر جانا مناسب نہیں لگا۔ وہ دبے قدموں سے اس کمرے کے سامنے سے گزرنے لگی تاکہ اس کے قدموں کی آواز سے وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ ان کی باتیں سن چکی ہے۔

"نہیں نانی جان مہک کو یہ سب کچھ کسی طرح بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے۔" شموئیل کے منہ سے اپنا نام اور اس کے مضبوط لہجے نے اس کے بڑھتے قدم روک لیے وہ کھڑکی کے قریب کھڑی ہوگئی۔ تھی تو یہ بہت معیوب و اخلاق سے گری ہوئی حرکت اور وہ اسے پسند بھی نہیں کرتی تھی مگر دونوں مرتبہ انداز اسے اتنے پراسرار اور فکرانگیز لگے کہ وہ بے اختیار یہ گھٹیا حرکت کرنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ "بھلا یہ بھی کوئی چھپانے والی بات ہے۔ آج نہیں تو کل اسے معلوم تو ہونا ہی ہے۔ کب تک چھپا سکتا ہے اس سے؟" نانی کی آواز نے اسے وسوسوں کے جنگل میں بھٹکا دیا۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑکنے لگا جیسے سینہ توڑ کر ابھی باہر آجائے گا۔ جو اندیشوں سے پہلے ہی لرز رہا تھا۔

حضرت داؤد طائیؒ کے پاس ایک لونڈی تھی جو کہ آپ کی خدمت کیا کرتی تھی۔ ایک دن اس نے حضرت داؤدؒ سے عرض کی کہ "آپ اجازت دیں تو آج تھوڑا سا گوشت پکالوں۔" آپ نے فرمایا۔ "ہاں پکالے میرا دل بھی چاہتا ہے۔" اس نے گوشت پکا کر جب آپ کے سامنے رکھا تو آپ نے پوچھا۔ "فلاں یتیموں کا کیا حال ہے؟" لونڈی نے کہا۔ "بے چارے پہلے کی طرح خستہ حال ہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "یہ گوشت لے جاؤ اور انہیں کھلاؤ۔" لونڈی نے عرض کی۔ "اتنا عرصہ ہوگیا ہے آپ نے گوشت نہیں کھایا۔ آپ کھالیں۔" فرمایا۔ "یتیموں کا کھایا ہوا عرش پر پہنچے گا اور میرا کھایا ہوا خاک میں مل جائے گا۔"

"وہ بہت حساس اور خوددار لڑکی ہے نانی جان۔ وہ آج تک اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ اشفاق انکل لاکھوں کی جائیداد چھوڑ کر گئے ہیں، جس کی وہ مالک ہے۔ وہ اسی احساس کے سہارے اتنی مضبوط ہے اگر اسے معلوم ہوجائے اشفاق انکل بالکل قلاش ہوگئے تھے۔ ان کا تمام بزنس تباہ ہوگیا تھا تو شاید وہ یقین نہ کرسکے۔ وہ ٹوٹ جائے گی اور میں اسے ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔"

آہ۔ وہ یہ کیا کہہ رہا تھا؟ یہ کیسے دھماکے تھے جو اس کے اندر ہورہے تھے۔ اس کے اندر سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔ میں بدصورت ہوں، بے کشش ہوں مگر میرے ساتھ آنے والی دولت بہت کشش وطاقت رکھتی ہے۔ فریحہ کی محبت کو سینے سے لگائے صرف اور

صرف دولت حاصل کرنے کے لیے مجھ سے شادی کی ہے۔ اس کی آوازیں نشتر بن کر اس کی روح میں پیوست ہو رہی تھیں۔ وہ اپنی ٹوٹی بکھری غرور کی لاش کے ملبے میں دفن ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں اندھیرا سا چھانے لگا تھا۔

"ماموں نے جو یہاں مہکار کا اکاؤنٹ کھولا ہوا تھا۔ وہ پیسہ بڑے ماموں پہلے ہی نکال چکے تھے۔ جب انکل بینک گئے تو انہیں اکاؤنٹ خالی ملا۔ کیونکہ وہ پیسہ ہمیشہ بڑے ماموں کے پاس ہی ڈرافٹ کرتے تھے اور ماموں اپنے سائن سے اسے جمع کرتے تھے۔ اس صدمے سے ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ یہ باتیں انکل نے اسپتال میں بتائیں۔ آنٹی تو موقع پر ہی ہلاک ہو گئی تھیں۔ انکل اسپتال آنے کہ ایک گھنٹے بعد ختم ہوئے تھے۔ اسی لیے میں نے شادی کا مکمل خرچہ اٹھایا تھا تاکہ اگر دونوں دکھاوے کے لیے کچھ پیسہ لگائیں بھی تو نہ لگا سکیں۔ جن کی بے حسی، بے ایمانی نے انکل آنٹی کی جان لی۔ میں ان کا احسان مہکار پر کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔"

مہکار کا وجود جیسے آسمان کی بلندی سے گرتا ہوا زمین پر دور دور تک بکھرتا گیا۔ اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ سانسیں جیسے اٹکنے لگی تھیں۔

اب مزید وہاں کھڑے رہنے کی تاب نہیں تھی۔ وہ عرش سے فرش پر گری تھی کیسے جان لیوا انکشافات تھے۔ وہ اپنے بے دم ہوتے قدموں پر بمشکل چلتی ہوئی کمرے میں آئی اور بیڈ پر گر گئی۔

"مجھ بڑھیا کے لیے یہ سامان لانے کی کیا ضرورت تھی؟" نانی جان میز پر رکھے سوٹ شال اور چپل کی طرف اشارہ کر کے بولیں۔ شموئیل آج اسپتال سے شاپنگ سینٹر چلا گیا تھا۔ وہاں اس نے اپنے لیے سامان لیا۔ امی اور نانی کے لیے عید کی خریداری کی اور مہکار کے لیے اسپیشل شاپنگ کی تھی۔ آج انتیس واں روزہ تھا اور زیادہ گمان آج چاند رات ہونے کا تھا۔

"نانی جان عید تو اصل میں بوڑھوں اور بچوں کی ہوتی ہے۔ ہم جوانوں کا کیا ہے؟"

"تو تو صدا جوان رہے گا۔ کبھی بوڑھا تھوڑی ہو گا۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولیں تو وہ ہنس پڑا۔

"مہکار کے لیے بھی عید کا سامان لائے یا نہیں؟" آنسہ سامان سمیٹتی ہوئی بولیں۔

"ہاں۔ یہ دیکھیں نا۔" وہ شاپنگ بیگ ان کی طرف کرتا ہوا بولا۔

"رہنے دو۔ جب پہن لے گی تو دیکھ لیں گے۔ جاؤ تم بھی اب جا کر آرام کرو۔" آنسہ بیگم شفقت سے بولیں۔

"وہ آہستہ سے درواہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ کمرے میں ٹیبل لیمپ کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بیڈ پر بے سدھ پڑی سو رہی تھی۔ اس نے رسٹ واچ دیکھی۔ دس بج رہے تھے وہ اتنی جلدی سونے کی عادی تو نہیں تھی۔ روز اس کے کمرے میں جانے کے بعد سوتی تھی۔ اس نے شاپنگ بیگ صوفے پر رکھ دیا۔ کچھ دیر کھڑا اس کے چادر میں لپٹتے وجود کو دیکھتا رہا پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے وہ کچھ سوچتا رہا۔ وہ اتنی گہری نیند سونے کی عادی نہیں تھی۔ اسے اس کی طرف سے اس بے خبری کی نیند پر تشویش ہونے لگی تھی۔ وہ ابھی بھی بیڈ پر یونہی کروٹ کے بل بے خبر لیٹی ہوئی تھی۔

اس نے اسے سدھارنے کے لیے تین ماہ سے خود پر جبر کا پتھر رکھا ہوا تھا۔ وہ مستقل اس کی نگاہوں کے حصار میں رہتی تھی۔ زبان پر اس نے مشکل سے تالے ڈالے تھے۔ خود پر کٹھور پن اور سنگدلی کا لیبل لگایا تھا اور اس کے خیال کے عین مطابق مہکار اس کے رنگ میں رنگ چکی تھی۔ اسے فخر تھا۔ وہ اب اچھی بہو، آئیڈیل بیوی کہلوانے کے لائق تھی اور کل کو یقیناً بہترین ماں بھی ثابت ہو گی۔ وہ اضطراری کیفیت میں اس کی طرف بڑھ گیا۔ آہستہ سے اس کے چہرے سے چادر ہٹائی۔ اس کا چہرہ پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ اس نے اس کی نبض چیک کی وہ بے ہوش تھی۔ ہاتھ اس کے ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر ہونے کے باوجود وہ بری طرح گھبرا گیا۔ تیزی سے کمرے سے میڈیکل بکس لایا

اور اس میں سے ایک انجکشن نکال کر اس کے بازو میں لگادیا۔ رومال سے اس کے چہرے سے پسینا صاف کرنے لگا۔ دس منٹ بعد مہکار نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔

"آپ.....؟" قریب بیٹھے شموئیل کو دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"گھبراؤ نہیں میں جارہا ہوں۔" وہ اسے لیٹے رہنے کا اشارہ کرکے بیڈ سے اٹھتا ہوا بولا۔ "مگر آیندہ بے ہوشی کا پروگرام ہو تو انفارم ضرور کردینا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"پلیز مجھے معاف کردیں۔ میں بہت بری ہوں، بہت بری۔" وہ بیڈ سے اتر کر شموئیل کے بازو سے لگ کر بولی۔ آنسو تیزی سے اس کی آستین میں جذب ہونے لگے۔

"کس بات کی معافی مانگ رہی ہو؟ کیا ہوا ہے؟" شموئیل اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"میں نے کتنا تنگ کیا ہے آپ کو میں سمجھ ہی نہ سکی۔ آپ اتنے گریٹ ہیں کہ آپ کی عظمتوں کے اعتراف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔" وہ سسکتی ہوئی بولی۔

"کوئی خواب دیکھ لیا ہے؟ یا کسی روحانی بزرگ نے میرے گریٹ ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا ہے؟"

"میں غلط ہوں۔ اس کا احساس مجھے بہت عرصے پہلے ہوگیا تھا مگر اپنی کم مائیگی اور آپ کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت مجھے کچھ دیر پہلے آپ کی نانی جان سے باتیں سن کر ہوا ہے۔ مجھے مما پپا نے کیوں بے خبر رکھا کہ پپا کا بزنس......"

"پلیز مہکار، اس ذکر کو ان کے ساتھ ہی دفن رہنے دو۔ میری کوشش یہی رہی تھی کہ تمہیں کسی بات کا علم نہ ہونے پائے اگر اب تم نے اتفاق سے سن ہی لیا ہے تو کبھی آیندہ اس موضوع کو زیر بحث نہ لانا۔ ماموں تمہیں احساس کمتری میں مبتلا نہیں دیکھنا چاہتے تھے اور میں بھی نہیں چاہتا۔" وہ اس کے آنسو صاف کرتا ہوا بولا۔ "جو کچھ ہوا بھول جاؤ۔ میرے پاس جو بھی کچھ ہے۔ سب تمہارا ہی تو ہے۔" اس کے بہتے آنسو اسے لمحے بھر میں موم کرگئے تھے۔

"آپ نے مجھے معاف کردیا ناں؟" وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی ملتجی لہجے میں بولی۔

"ہاں مگر ایک وعدے کے ساتھ کبھی بھی بڑوں سے زبان چلانے کی کوشش نہ کرنا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں۔ اب آپ کو کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" اس کی انا اپنے جاں نثار باوفا محبوب شوہر کے آگے دم توڑ چکی تھی۔ وہ شرمائی لجائی نگاہیں جھکائے اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ نگاہوں میں چاہتوں کے دیپ جلائے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کاش تم پہلے سدھر جاتیں؟ تو یہ دس مہینے یونہی تو بے رنگ نہیں گزرتے۔ یا کاش تم یہ مگرمچھ جیسے آنسو پہلے بہالیتیں تو اتنا عرصہ یوں نہ گزرتا۔"

"میں مگرمچھ کے آنسو بہارہی ہوں؟" وہ حسب عادت جھٹکے سے بولی۔

"نہیں بھئی تم تو اپنے آنسو بہارہی ہو۔ دیکھو نا کتنی کشش ہے ان آنکھوں میں، میں سب لڑائی بھلا کر لمحے بھر میں تم سے صلح کر بیٹھا ہوں۔" وہ ہنستا ہوا بولا۔

"باہر سے شور کی آواز آرہی ہے، چاند نظر آگیا ہے۔ مبارک ہو۔"

"میری تو واقعی کل عید ہے۔" وہ اسے بازوؤں میں چھپاتا ہوا بولا۔ "چلو جھٹ پٹ تیار ہوجاؤ۔ آج کی رات ہماری ہے۔ تمہیں شاپنگ کروا کر لاؤں اور ہاں تمہیں منہ دکھائی بھی تو دینی ہے۔ اس دن مارے خوشی کے میں لانا ہی بھول گیا۔ اب تم اپنی پسند سے جو چاہو لے لینا۔" وہ شوخی سے اس کا چہرہ ہاتھ سے اونچا کرتا ہوا بولا۔ اس کے چہرے پر سچی خوشیوں کے رنگ جگمگانے لگے تھے......!!!

Digest Novels Lover